دستِ نظر

اُردو غزلیات

پیر سیّد نصیر الدّین نصیرؔ

گولڑہ شریف

مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف، E-11 اسلام آباد (پاکستان)

تمام پڑھنے والوں سے عاجزانہ درخواست ھے کہ میرے بچوں کی صحت اور تندرستی کیلئے دعا فرمائیے۔ اللّٰہ تعالیٰ آپ سب کو ہر مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے۔ آمین

نیاز مند۔ فاروق حسین گولڑوی

اشاعت : دوم
تعداد : 1100
ترتیب : ڈاکٹر توصیف تبسّم، اسلام آباد
قاضی محمد بشیر الدّین، ہری پور
تزئین و کمپیوٹرائزڈ کمپوزنگ : مُرسلین احمد گولڑوی
معاونِ کتابت : ماسٹر منوّر حسین چشتی، کرنانہ (گجرات)
ناشر : مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف
نگرانیِ طباعت : ملک محمد مہربان، گولڑہ شریف
مطبع : عمران پرنٹرز، اسلام آباد
قیمت : 125/- روپے
سنِ طباعت : ذیقعدہ 1421ھ مطابق فروری 2001ء

ISBN 969 - 8537 - 03 - 1

ملنے کا پتہ :

اندرونِ ملک : مکتبۂ مہریہ نصیریہ، درگاہِ غوثیہ چشتیہ نظامیہ مہریہ گولڑہ شریف
E - 11 اسلام آباد، پاکستان۔ فون : 051-292814
E-mail: Meharali@paknet.com.pk
نیز : مکتبۂ ضیاء القرآن، گنج بخش روڈ، لاہور
فرید بُک سٹال، 38- اُردو بازار، لاہور، پاکستان۔ فون 92-42-7312173
بیرونِ ملک : ڈاکٹر سیّد امتیاز حسین شاہ نقوی، 19 بینکس روڈ، سمال ہیتھ
برمنگھم B10 9PP انگلینڈ۔ فون : 0044-121 6849101
قاری فضل رسول، جامعہ حنفیہ مہریہ اینڈ مُسلم سنٹر.INC، 32-13، گلی 57th
وُڈ سائیڈ، نیو یارک۔ آفس : 418 ایونیو، پی بروک لائن، نیو یارک 11223
فون 718-274-7813 فیکس 385 718-3396 یو ایس اے

غزل اُس نے چھیڑی، مجھے ساز دینا
ذرا عُمرِ رفتہ کو آواز دینا

(صفیؔ لکھنوی مرحوم)

انتساب

ہر اُس قاری کے نام، جو شعر کے ظاہری و باطنی محاسن سے لُطف اندوز اور اساتذۂ سُخَن کی تخلیقی و فنّی نادِرہ زائیوں سے محظوظ اور بہرہ مند ہونے کی بھرپُور صلاحیّت رکھتا ہے۔

نصیر کان اللہ لۂ

ترتیب

معروضِ فکر — پیر سیّد نصیرالدّین نصیر

نظر بر دستِ نظر — ڈاکٹر توصیف تبسّم

(غزلیات)

نمبر شمار		صفحہ نمبر
1	اِسی باعث قلم سے وصف کرتے ہیں رقم تیرا	1
2	جب تک یہ سلسلہ رہے شام و پگاہ کا	3
3	جو وہ تُو نہ رہا تو وہ بات گئی جو وہ بات گئی تو مزا نہ رہا	4
4	جو بچھڑا تھا وہ پیارا مل گیا ہے	6
5	الٰہی ! مطمئن ہوں گے نہ اب گلشن میں ہم کب تک	7
6	وقت، جب انقلاب مانگے گا	9
7	آئنہ تیرا، چمن ہو جیسے	10
8	زمانے کے سب پیچ و خم جانتے ہیں	11
9	نام لے کر ترا، مَرا کوئی	13
10	سُکوں ملے نہ ملے، یا قرار ہو کہ نہ ہو	14
11	عشقِ بے پایاں کا حاصل اور ہے	16
12	دل میں شُعلے سے اُٹھے، آہِ رسا سے پہلے	17
13	رنگ پر آئے جنوں، خَلق میں افسانہ بنوں	19
14	تُو اگر بے نقاب ہو جائے	21
15	عافیت دُور رہی فطرتِ انسانی سے	22
16	ہمارے نام خط آیا تو ہوتا	23
17	جب اچانک مجھے یاد آپ کی آجاتی ہے	25
18	غیر کو دیکھ کے غیرت سے پگھل جاؤں گا	26

نمبر شمار		صفحہ نمبر
19	بہ صد خلوص، بہ صد افتخار گزری ہے	28
20	آپ اِس طرح تو ہوش اُڑایا نہ کیجیے	29
21	مہرباں تھا جو روز و شب، کوئی	31
22	اپنوں کے ستم، اُن کی جفا یاد کریں گے	32
23	سینکڑوں بے قرار پھرتے ہیں	34
24	یوں وہ محفل میں بہ صد شان بنے بیٹھے ہیں	35
25	ہم اپنی طرف اُن کی نظر دیکھ رہے ہیں	37
26	ٹھان لی مَیں نے بھی دل میں یہیں مر جانے کی	38
27	مرگِ اہلِ وفا کی بات نہ چھیڑ	40
28	نالۂ دل سوز سے یا آہِ دامن گیر سے	41
29	محبّت بیج غم کے بو رہی ہے	43
30	محفل سے اُن کی سینکڑوں پی کر نکل گئے	45
31	تُو ہی سچّا نظر نہیں آتا	47
32	اب جُنوں میں مری ایسی کوئی تصویر بھی ہو	48
33	فلک نشان بنے، عرش گیر کہلائے	50
34	یہ مقدّر کا لکھا ہے، اب یہ کٹ سکتا نہیں	52
35	اِسے اب راہ پر لانا پڑے گا	54
36	چُھوٹ کر ہاتھ سے گرنا مرے پیمانے کا	55
37	چین سے جینے کی کچھ تدبیر کرنی ہی پڑی	57
38	جُنوں ہے، رنج سامانی بہت ہے	59
39	زندگی مطمئن ہے ہماری خلفشاروں سے اللہ بچائے	61
40	دلِ حزیں کو تری یاد سے بچا نہ سکے	63
41	ہمارا اور کوئی غم گسار بھی تو نہیں	64
42	کیا اوج پائیں اور ترے آستاں سے ہم	66
43	بچھڑ وہ جانے کے بعد یاد آیا	68

نمبر شمار		صفحہ نمبر
44	جسے پہلو میں رہ کر درد حاصل ہو نہیں سکتا	69
45	شبیہِ گُل ہوئی اِس خارزار کی صورت	72
46	نہ دوستی سے تعلّق، نہ دشمنی سے غرض	74
47	جن کو بسنا تھا ترے شہر میں، بستے ہی رہے	75
48	ستم کیجئے، کرم کیجئے، وفا کیجئے، جفا کیجئے	77
49	تنہا نہ پی شراب، ہمیں بھی پلا کے پی	79
50	سُہانی ہیں راتیں تو دن پیارے پیارے	81
51	اک قیامت بن گئی ہے آشنائی آپ کی	82
52	حال سے واقف ہونے لگا ہے اپنا بھی، بیگانہ بھی	83
53	زمانے بھر کو تو صُورت دکھائی جاتی ہے	85
54	شبِ فرقت کا اختتام نہیں	87
55	ہم کش مکش یہ شام وسَحَر دیکھتے رہے	88
56	ظُلم ہم پر ہر آن ہوتے ہیں	90
57	نہ کوئی گُل ہے، نہ گلشن میں خار باقی ہے	91
58	اُس طرف شمشیرِ بُرّاں قبضۂ قاتل میں ہے	92
59	دیوانۂ منزل جب رستے میں بھٹکتا ہے	95
60	یُوں جمالِ رُوئے جاناں شمعِ خلوت خانہ تھا	97
61	میکدے کا نظام تم سے ہے	99
62	نہ رہی وہ بزمِ عشرت، نہ وہ عیشِ جاودانا	100
63	فلک پہ تیر چلانا بھی مجھ کو آتا ہے	102
64	یہ بات دل سے کہوں گا، فقط زباں سے نہیں	103
65	بڑھا مقتل میں جب خنجر کی جانب ہاتھ قاتل کا	105
66	شوقِ دیدار پردہ دَر نہ ہُوا	107
67	منزلِ شوق میں ایسا بھی مقام آتا ہے	108
68	ہو کر وہ جواں، بدل گیا ہے	109

نمبر شمار		صفحہ نمبر
69	بہلتے کس جگہ، جی اپنا بہلانے کہاں جاتے	110
70	محبّت کا یہی معیار ہو گا	112
71	جو مجھ کو دیتے رہے دھمکیاں جلانے کی	113
72	اشک آنکھوں میں آئے جاتے ہیں	115
73	دل میں ہلچل ہے بپا، جان پہ بن آئی ہے	116
74	جو گرا ہے پستیوں میں، تو غُبار تک نہ اُٹھا	118
75	رُودادِ قفس یاد، نہ اندازِ فغاں یاد	120
76	مجھ پہ اب اُن کا التفات نہیں	122
77	مری زیست پُر مسرّت کبھی تھی نہ ہے نہ ہو گی	123
78	عجیب منظرِ بالائے بام ہوتا ہے	125
79	مرے ہوش یُوں جو جاتے تو کچھ اور بات ہوتی	127
80	حال دل کا جتا کے دیکھ لیا	128
81	جان کے درپے، مگر بن کر مسیحا، بیٹھنا	129
82	بہار آئی، تو کُھل کر کام میخانے بھی آئیں گے	131
83	چھین لیں دل وہ مرا، فکر اُدھر ہے تو یہی	133
84	اک اک ادا تھی قہر کے تیور لئے ہوئے	134
85	ابھی وہ خوش، ابھی ناخوش، کرم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی	136
86	تُجھ سا نہ تھا کوئی، نہ کوئی ہے حسیں کہیں	138
87	مجھ کو بھی سودا ہُوا ہے اُس ستم ایجاد کا	140
88	مسکرانے کا ہُنر سیکھ گئے تُم ایسا	142
89	جب وہ محوِ خرام ہوتے ہیں	144
90	راستے صاف، بتاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں	145
91	اُن کے رُخ پر نگاہ کر بیٹھے	147
92	جمالِ یار تا حدِّ نظر، دیکھا نہیں جاتا	148
93	دل جلانے کی بات کرتے ہو	150

نمبر شمار		صفحہ نمبر
94	کوئی بھی اِس میں قرینہ نہیں وفا کے لئے	151
95	اُن کا جلوہ جو عام ہو جائے	152
96	مَیں اُس کا، وہ میرا ہو	153
97	پھر بہار آگئی، رہتا ہے پریشاں کافی	155
98	جن پر بھی ترے کرم رہیں گے	157
99	آئے دن مِل کے بچھڑتے ہو، ادا اچھّی ہے	158
100	وہ دن بھی ہے آنے والا	160
101	ہر ادا دُشمنِ دل، حُسن بھی، رعنائی بھی	161
102	آرزو یہ تھی کہ ہم یُوں اُن کا پیکر دیکھتے	163
103	سکون مِل نہ سکا، بارِ غم اُٹھا نہ سکے	165
104	دل ایسے میں بہل جائے گا، دیوانے بہت سے ہیں	167
105	اگر ہنستا ہُوا سیرِ چمن کو وہ نگار آئے	169
106	خرابِ گردشِ دوراں ہی رہتے اک زمانے تک	171
107	جب تک جہاں میں گردشِ چرخِ کُہن رہے	173
108	زُلف کی اوٹ سے چمکے وہ جبیں تھوڑی سی	174
109	تیرگی میں اک ستارا چاہیئے	176
110	زمانہ گریۂ پیہم سے ڈر ہی جاتا ہے	177
111	کسی کو ہجر تڑپائے تمہیں کیا	179
112	چمن سے نکلے، تو صحرا میں آئے دیوانے	180
113	ہم پیکرِ جاناں کی دل پر تصویر اُتارا کرتے ہیں	182
114	حقیقت اور ہی کچھ ہے، مگر ہم کیا سمجھتے ہیں	184
115	مِلنے کی خوشی تھی تو بچھڑ جانے کا غم بھی	186
116	اذیّت، دَرد، دُکھ، بوتے ہیں کانٹے	188
117	رنگ چڑھنے لگا اِن پر بھی صنم خانوں کا	190
118	کیا دل مرا نہیں تھا تمہارا، جواب دو!	192

نمبر شمار		صفحہ نمبر
119	اپنے سر کیوں غیر کا احسان لو	194
120	چُپکے چُپکے یہ مری گھات میں کون آتا ہے	195
121	تمھیں اپنا بنانا چاہتا ہُوں	197
122	چمکتے ہیں جو داغِ دل وہ مٹ جایا نہیں کرتے	198
123	جو دُور ہو تم تو لمحہ لمحہ، غضب میں ہے، اِضطراب میں ہے	200
124	وہ تو بس وعدۂ دیدار سے بہلانا تھا	202
125	خود فریبی ہی سہی، یُوں دل کو بہلاتا ہُوں مَیں	204
126	جو آستاں سے ترے لَو لگائے بیٹھے ہیں	206
127	آفت ہے شبِ غم کی سیاہی کا اثر بھی	208
128	ہر اک منظر اب تو سرابوں جیسا لگتا ہے	209
129	دشت میں آئے تو جیتے جی نہ دیوانے گئے	211
130	آئے ہیں ہم سے پہلے کچھ انسان اور بھی	213
131	آج میخانے میں نیّت مری بھر جانے دے	215
132	عشق میں اُن کے طَور کیا کہیے	216
133	گر گئے جو تری نگاہوں سے	217
134	سَبُو اُٹھا! کہ شبِ ماہتاب ہے ساقی	218
135	سُکوں لُوٹ کر پھر ستانے لگے	221
136	یاد اب اُن کو مری ذات رہی ہے کہ نہیں	223
137	شاد رکھیے، عذاب میں رکھیے	225
138	راہِ دشوار کو آسان بنا کر چلیے	226
139	ترے ستم کے لئے جس کا انتخاب نہیں	228
140	قلبِ مضطر کے اشارے اور ہیں	230
141	مانا کہ وہ باوفا نہیں ہے	231
142	ٹکڑے ٹکڑے، ریزے ریزے تُو شوق سے اے قاتل کر دے	232
143	اگر تیرا اشارہ اے نگاہِ یار ہو جائے	234

صفحہ نمبر		نمبر شمار

236	برق کی اک موج سی لہرائی تھی	144
238	دَم بخود ہے مرے فسانے پر	145
239	محبّت ناز ہے، یہ ناز کب ہر دل سے اُٹھتا ہے	146
241	آئے کچھ اِس ادا سے وہ خنجر نکال کے	147
243	یارب سُنائیں ہم کسے اب مدعائے دل	148
244	جواں ہو کر بدلتے جا رہے ہیں	149
245	آپ ٹھہریں تو کہیں، رات کی رات	150
247	آج ہم نذرِ نگاہِ نازِ جاناں ہو گئے	151
249	اندوہِ عشق، ایک زمانے کی بات ہے	152
251	بات دیکھی یہ فقط آپ کے دیوانوں میں	153
252	چاہیئے اُن کی نظر، میری نظر کاٹنے کو	154
254	درحقیقت ہے وہ پناہوں میں	155
255	لڑاتے ہیں نظر اُن سے جو ہوتے ہیں نظر والے	156
256	وعدے وفا کے اور قرینے جفا کے یُوں	157
258	ستاتے ہیں دلِ ناشاد کو پھر شاد کرتے ہیں	158
259	سوز بخشا، حشر ڈھا کر چل دیئے	159
261	اگر آلامِ ہجراں کم نہ ہوں گے	160
262	ویسے تو سب ہی کو شیطان سے ڈر لگتا ہے	161
263	قدم قدم پہ جو صدمے اُٹھا نہیں سکتے	162
.265	حاجت دُعا کی ہے نہ ضرورت دوا کی ہے	163
267	محفل کا یہ انداز، کہاں وہ ہیں، کہاں مَیں	164
269	کہتے ہیں، اُن کو بُت نہ کہوں مَیں، خدا کہوں	165
270	عشق آسان بہت ہے، مگر آساں بھی نہیں	166
272	بیتاب ہیں، ششدر ہیں، پریشان بہت ہیں	167
273	ہر نفَس اک جُھوک ہے، اک پیاس ہے	168

نمبر شمار		صفحہ نمبر
169	لگی تھی دل میں، بالآخر زباں تک آپہنچی	275
170	مجھ میں انداز ہے سُلطانی کا	276
171	تُو سفینے کا نگہباں ہو، یہ امکاں ہی نہیں	278
172	لوگ لکھتے رہے ظلمت کے فسانے کیا کیا	280
173	دن ڈھلا، شام ہوئی، چاند ستارے نکلے	282
174	سَر کے بل آوَں، مگر آپ اشارا تو کریں	283
175	دُھوم ہے شش جہات پُھولوں کی	284
176	الٰہی! کیا محبّت میں یہ شکلِ امتحاں رکھ دی	285
177	جسے تیری زُلفوں کے خَم یاد آئے	287
178	اُس ستم گر سے جس کی یاری ہے	288
179	پسِ توبہ کوئی دیکھے کہ میخانے پہ کیا گزری	290
180	جس طرف بزم میں وہ آنکھ اُٹھا دیتے ہیں	292

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

معروضِ فکر

گرچہ بے بال کند معنیٔ نازک، پرواز
لفظِ پاکیزہ، پر و بال بود معنیٰ را

(صائب تبریزی)

پیمانِ شب کے بعد اُردو غزلیات کا یہ دُوسرا مجموعہ ہدیۂ قارئین ہے۔ اِس میں میرا قدیم و جدید دونوں طرح کا کلام شامل ہے۔ فن کیا ہے؟ فن نام ہے کچھ قواعد، کچھ اُصول و ضوابط اور کچھ پابندیوں کا۔ فنِّ شعر پر بھی اِس کا اطلاق اُسی طرح ہوتا ہے جیسے دوسرے فنونِ لطیفہ پر۔ اچّھا شعر لکھنے والا، اُن شرائط کی پابندی کرتے ہوئے، فن کی اُن بلندیوں تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، جہاں سے ابدیّت کے چشمے پھُوٹتے اور جو زمانوں کو سیراب کرتے چلے جاتے ہیں۔

ماہیّتِ شعر کے بارے عہد بہ عہد، مشرق و مغرب کے مفکّرینِ ادب اظہارِ خیال کرتے آئے ہیں، مگر شعر کا تعلّق چونکہ آدمی کے باطن اور اُس کے وجدان سے ہے؛ اِس لئے شعر کی کوئی بھی جامع تعریف ممکن نہیں۔ اُن لوگوں

کے سامنے، جو باشعور لذّتِ ذہنی سے محظوظ ہونا جانتے ہیں، تعریفِ شعر اور آدابِ سخن فہمی کا تذکرہ تحصیلِ حاصل ہے، البتہ اِتنا عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہُوں کہ شعر داخلی و خارجی کیفیّات کے امتزاج کا نام ہے۔ ایک شعر میں خیال یا معانی کو بمنزلۂ رُوح درجہ حاصل ہوتا ہے، یہ رُوح لفظ ہی کے پیکر میں اپنا اظہار کرتی ہے۔ شعر، خیال اور لفظ کے نُقطۂ اِتّصال پر طُلوع ہوتا ہے۔ داخلی اور خارجی کیفیّات کے امتزاج سے میری مُراد یہی کچھ ہے۔ بقولِ خلّاقُ المعانی حضرتِ میرزا عبدالقادر بیدؔل دھلوی قُدّسِ سِرُّہُ العزیز۔

غازۂ حُسنِ ادا آساں نمی آید بدست
فکر، خُوں ہا می خُورد، تا رنگ می گردد سُخَن

شعر کہنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کسی خیال کے اظہار کے لیے، ایسے مناسب پیرائے کی تلاش کہ سُننے والا بھی اُس تجربے میں شریک ہو سکے، جس سے پہلے پہل شاعر خُود گزرا تھا، بڑا دُشوار مرحلہ ہے۔ الفاظ کا رکھ رکھاؤ، محاورات، ضرب الامثال اور روزمرّہ کا برمحل استعمال شعر میں جان ڈال دیتا ہے۔ شعر گوئی دراصل ایک جمالیاتی تجربہ بھی ہے، جو مناسب الفاظ اور برمحل پیرایۂ اظہار کے ذریعہ تکمیل پاتا ہے، اِس پیرایۂ اظہار میں وہ تمام لوازمِ شعر شامل ہیں، جن کے ہونے سے شعر میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے۔ اساتذۂ عربی و فارسی میں چاہے وہ مُتنبّی ہو، لبیدؔ یا صاحبِ قصیدۂ بُردہ امام بوصیریؒ ہوں، اِسی طرح خاقانیؔ، سعدیؔ، حافظؔ، رومیؔ، جامیؔ، نظیریؔ و بیدؔل ہوں یا گرامیؔ و علّامہ اقبالؔ، اِن سب کے ہاں لوازمِ شعر کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دے گا۔ معانی کے اعماق کے ساتھ زبان و بیان، فصاحت و بلاغت اور محاسنِ فن نقطۂ عُروج پر دکھائی دیں گے۔ جو لوگ صرف اظہارِ مدّعا کو شعر کی تعریف کہتے ہیں اور شعر کے دُوسرے اجزائے لاینفک

کو ضروری قرار نہیں دیتے، میرے خیال میں وہ صریح غلطی پر ہیں۔

اظہارِ مدّعا کے لیے اگر پیرایۂ اظہار اور زبان و بیان کا لُطف مفقود ہو تو ایسا شعر ایک سرسری نظر کے قابل بھی نہیں رہ جاتا۔ آج تک اگر اساتذۂ فن کا کلام صدیاں گزر جانے کے بعد بھی زندہ ہے تو اِس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اُس میں شعر کی تمام خوبیاں اور فنّی و لسانی تابانیاں موج زن ہیں۔ شعر چونکہ ترسیلِ کیفیت کا ایک مؤثّر وسیلہ ہے، اِس لیے شعر کی ادائیگی یعنی اِس کا تحت اللّفظ پڑھنا بھی ایک مشق و ممارست چاہتا ہے۔ شعر کہنے والے اور پھر اُس کو پڑھنے والے تو ہزاروں موجود ہیں، مگر وہ شعر جو دل پر اپنے اثرات چھوڑے اور اُس کو پڑھنے کا جو ڈھنگ سماعتوں میں عالمِ وجد و کیف پیدا کر دے، ایسے شعر اور شعر خوان بہت کم دیکھنے سُننے میں آتے ہیں۔ اساتذۂ متقدمین کے دور میں شعر گوئی کے ساتھ شعر خوانی کی مشق بھی کرائی جاتی تھی، مگر آج ہمیں یہ چیز بہت کم نظر آتی ہے۔ انیس و دبیر کی تحت اللّفظ مرثیہ خوانی اہلِ مجلس پر جو گہرے نقوش مُرتسم کرتی تھی، اُس سے اُردو ادب کا قاری اچّھی طرح واقف ہے۔

اپنے بارے کچھ کہنا اچّھا نہیں معلوم ہوتا، پھر بھی اِس خیال سے کہ پھل اپنے شجر ہی سے پہچانا جاتا ہے، اِتنا ضرور عرض کروں گا کہ مَیں نے بحمداللہ عربی، فارسی اور اُردو کے اساتذہ کا کلام نہ صرف پڑھا، بلکہ بساط بھر اُن کے کلام کے ظاہری و باطنی محاسنِ فن کو سمجھنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مَیں نے اُردو، فارسی، عربی پنجابی، سرائیکی وغیرہ میں جو کچھ کہا ہے، اُس کے متعلّق کچھ کہنا اہلِ فن اور اہلِ کمال ہی کا کام ہے۔ مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرے کلام میں اظہار و بیان کی تمام فنّی و لسانی خوبیاں موجود ہیں، بلکہ مجھے تو ہر طرح سے اعترافِ عجز ہے؛ لیکن اِس کے ساتھ باصلاحیّت قارئین سے یہ گزارش ضرور ہے کہ اگر اُنہیں کوئی شعر پسند

آجائے تو میرے لیے بقولِ اکبرالٰہ آبادیؒ، چند دعائیہ کلمات ارشاد فرما دیں ؎

اُمّید ہے دُعا کی ، اہلِ سُخن سے اکبرؔ
کچھ تو حُقوق میرے اُردو زبان پر ہیں

الملتجی الی اللہ

فقیر سیّد نصیر الدّین نصیرؔ

یکم جنوری 2000ء گولڑہ شریف

از نقّادِ جلیل القدر، ادیب و شاعرِ نامور
جنابِ ڈاکٹر توصیف تبسّم (بدایونی)

نظر بر دستِ نظر

انگریزی زبان کے معروف نقّاد میتھیو آرنلڈ (Mathew Arnold) (1822-1888) نے شعر کو تنقیدِ حیات کہا ہے، لیکن سوچا جائے تو شعر زندگی سے کوئی الگ شے نہیں، بلکہ خود زندگی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر زندگی کیا ہے۔ زندگی وہ چنگاری ہے، جو روح اور بدن کے ارتباط سے پیدا ہوتی ہے۔ اِسی طرح خیال اور لفظ جب مِل کر ایک ہو جاتے ہیں تو شعر وجود میں آتا ہے۔ جس طرح زندگی کے حوالے سے بدن ایک مادّی شے ہے، جو ہمارے حواسِ ظاہری سے باہر نہیں، اُسی طرح لفظ بھی ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ خیال یا معنیٰ جو لفظ میں چُھپا ہوتا ہے، رُوح کی طرح ہے، جس کا ادراک حواس کے بس کی بات نہیں۔ شاعری کے حوالے سے خیال اور لفظ میں زیادہ اہمیّت کس کو حاصل ہے، یہ بحث خاصی پرانی ہے۔ افلاطون کہتا ہے کہ خارج میں موجود ہر شے سے زیادہ اُس کا خیال اہم ہوتا ہے، کیوں کہ اگر وہ شے معدوم بھی ہو جائے اور اُس کا تصوّر ذہن میں موجود ہو تو وہ خاص شے دوبارہ وجود میں لائی جا سکتی ہے، لیکن جو لوگ خیال کے مقابلہ میں لفظ کو زیادہ اہم سمجھتے

ہیں، اُن کے نزدیک لفظ خیال کی تشکیل و ترسیل کا لازمی ذریعہ ہے، جس کے بغیر خیال کی صورت پذیری ممکن ہی نہیں، اِس اعتبار سے شاعروں کے بھی دو بڑے گروہ ہیں۔ ایک وہ جو خیال کی اہمیّت کے قائل ہیں اور نئے لفظ اور نئے پیرایہ ہائے اظہار کی تخلیق پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔ دوسرا گروہ ایسے شاعروں کا ہے، جو اِن لفظوں اور پیرایہ ہائے اظہار کو بعد میں آنے والوں کے لئے محفوظ کرتا ہے۔ ایسے شاعروں کے کلام کو لفظ و بیان کے لحاظ سے ایک اعتبار حاصل ہوتا ہے اِس خاص زبان میں تخلیقِ شعر کرنے والے اور اِس خاص زبان میں لکھنے والے اُس دوسرے گروہ کے شعراء کے کلام کو بطورِ سند سامنے رکھتے ہیں۔ پیر نصیر الدّین نصیؔر کا تعلّق بھی شاعروں کے اِسی گروہ سے ہے، ایسے شاعروں کا کلام لغت نویسوں کے لئے بھی خام مواد کا درجہ رکھتا ہے۔ کیوں کہ اِس کو دیکھے بغیر وہ زبان کو محفوظ کرنے اور مستند کو غیر مستند سے الگ کرنے کا کام سرانجام ہی نہیں دے سکتے۔ نصیؔر صاحب کی غزل کی تفہیم کے دو مؤثّر حوالے ہیں۔ اوّل اُن کی تعلیم و تربیت، دوم وہ فضا اور وہ ماحول جس میں اُنھوں نے آنکھ کھولی۔ اُن کی تعلیم اور اُن کے خاص ماحول نے جس طرح اُن کی شخصیّت کو بنایا سنوارا ہے، اِس کا اندازہ واضح طور پر اُن کی غزل سے لگایا جا سکتا ہے۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے جو نظامِ تعلیم ہمارے ہاں رائج تھا، وہ نہ صرف ہماری تہذیبی روایت کے تسلسل کی صورت تھی، بلکہ ہماری شناخت اور ہماری پہچان بھی تھا۔ ہوائے زمانہ نے ورق اُلٹا تو وہ تدریسی نظام بڑی حد تک نہ صرف ہماری زندگیوں سے نکل گیا، بلکہ موجودہ صورت میں بے توقیر اور حقیر بھی سمجھا جانے لگا۔ مگر یہ بھی

حقیقت ہے کہ اِس قدیم طرزِ تعلیم نے ایسے افراد کو پروان چڑھایا، جنھوں نے علوم و فنون کے مختلف میدانوں میں ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، جن کی یاد مُرورِ زمانہ کے باوجود اب تک دلوں میں نہ صرف قائم ہے، بلکہ اُس کا تصوّر بھی دل و دماغ میں سرشاری کی لہر پیدا کر دیتا ہے۔ یاد رہے کہ اقبالؔ نے بھی اپنی تعلیم کی ابتداء مسجد کے مکتب ہی سے کی تھی۔ اِس قدیم طرزِ تعلیم میں دوسرے علوم کے پہلو بہ پہلو عربی اور فارسی کے زبان و ادب کے سیکھنے سکھانے پر خاص زور دیا جاتا تھا۔

پیر نصیر الدّین نصیرؔ کے دادا حضرت غلام محی الدّین المعروف بابو جی علیہ الرّحمہ نے بھی یہی طرزِ تعلیم اپنے ہونہار فرزند زادہ کے لئے مستحسن جانا۔ چنانچہ نصیرؔ میاں کے مزاج میں فارسی شعر و ادب کا رچا ہُوا ذوق پایا جاتا ہے، جس کا اندازہ اُن کے فارسی کلام سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ برِّصغیر میں اب جبکہ فارسی کا رواج کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے، فارسی میں شعر لکھنے والے تو کیا فارسی شعر کو سمجھنے اور اُس سے لطف اندوز ہونے والے بھی کم یاب ہیں۔ نصیرؔ صاحب کا دم غنیمت ہے۔ وہ فارسی میں غزل اور بالخصوص رباعی کے جس مقام پر فائز ہیں، اُس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر اُن کا فارسی کلام فارسی کے معروف کلاسیکل اساتذۂ سُخن کے کلام میں مِلا دیا جائے تو اُس کو پہچاننا اور الگ کرنا دشوار ہو گا۔ نصیر الدّین نصیرؔ نے فارسی شعر و ادب سے اپنے اِس لگاؤ کو اپنے مطالعہ سے قابلِ رشک حد تک ترقّی دی ہے۔ فارسی رباعیات پر مشتمل اُن کا مجموعہ ''آغوشِ حیرت'' کے نام سے سامنے آ چکا ہے، جبکہ اُن کے دوسرے مجموعہ ہائے کلام ''دیں ہمہ اُوست''

''فیضِ نسبت'' اور ''عرشِ ناز'' میں بھی جُزوی طور پر اُن کا فارسی کلام شامل ہے۔ پیر نصیر کے ادبی مزاج میں چوں کہ کلاسیکیّت رچی بسی ہے، اِس لئے اُن کی اُردو غزل بھی اِس وصف سے خالی نہیں ؛ جب ہم اُن کی اُردو غزل کو پڑھتے ہیں تو وہ ہمیں اُس روایت کا ایک حصّہ محسوس ہوتی ہے، جو میر و غالب سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچتی ہے۔ اُردو کے بعض جدید غزل گو شعراء نے غزل کی لفظیّات و اسالیبِ بیان میں تجربات کر کے اِس کو نیا رنگ و آہنگ دینے کی سعی ضرور کی۔ بعض صورتون میں تو صرف غزل کی ہیئت ہی باقی رہ گئی اور غزل کی وہ روح ختم ہو گئی، جس کو تغزّل کا نام دیا گیا ہے۔ اِن کوششوں کے باوجود ہمارے یہاں ایک ایسا طبقہ ہر وقت موجود رہا ہے، جس کا تصوّرِ تغزّل اور طرزِ احساس وہی کچھ رہا ہے، جس کو ہر زمانہ میں شاعری سے لطف اندوز ہونے والوں کی اکثریّت پسند کرتی رہی ہے۔ نصیرالدّین نصیر کی اُردو غزل میں مضامین تو بیشتر وہی ہیں، جن کا اظہار عہد بہ عہد تغزّل پسند شاعر کرتے رہے ہیں۔ بہ اعتبارِ مضامین نصیر صاحب اُردو غزل کے کلاسیکل دائرے سے قدم باہر رکھنا پسند نہیں کرتے۔ خیال رہے کہ کلاسیکی سے ہماری مُراد قدیم یا فرسودہ شاعری ہرگز نہیں، بلکہ شاعری کی ایسی زندہ و توانا روایت ہے، جس کو ہر دَور میں شدّ و مد سے پسند کیا جاتا رہا ہے۔ تغزّل سے مُراد چند وہ خاص پابندیاں ہیں، جن سے عہدہ برآ ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے شاعر شعر کہتے ہوئے جس قدر قدغن خود پر لگاتا ہے، اُس کا کام اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ پیر نصیر روایتی مضامین کو محض دہراتے نہیں، بلکہ تغزّل کی فنّی و لسانی پابندیوں میں رہتے ہوئے، اُن کی فکر اُس خاص مضمون کا

کوئی نہ کوئی ایسا رُخ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے کہ شعر میں بار بار
کہی ہوئی بات میں بھی ایک تازگی اور لطف خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔

عکسِ ساقی شراب میں رکھیئے
ماہتاب، آفتاب میں رکھیئے

نظر بڑھتی ہے، لیکن اشک رستہ روک لیتے ہیں
دمِ رخصت اُنہیں اے چشمِ تر! دیکھا نہیں جاتا

وہ کشتگانِ محبّت ہیں ہم کہ اپنا غُبار
جدھر وہ ہوتے ہیں، اُڑ کر اُدھر ہی جاتا ہے
وہ بے وفا ہے، مگر سنگ دل نہیں پھر بھی
مرے ملال سے چہرہ اُتر ہی جاتا ہے

اک قیامت ہے تیری انگڑائی
ٹوٹ جائے نہ آئنہ کوئی
موت کو بھی گلے لگائیں لوگ
ہو جو اِس میں تری ادا کوئی

یُوں مہکتی ہے صبا گلشن میں
تیری خوشبوئے بدن ہو جیسے
ایسی درماندہ ہے دل کی دھڑکن
تیرے لہجے کی تھکن ہو جیسے

دام و صیاد کا کھٹکا ہے قیامت ، ورنہ
ذوقِ پرواز کو ہے کُنجِ گلستاں کافی

بے کسی اور اُداسی کے اندھیرے نہ ڈھلے
چاندنی روئی سرِ گورِ غریباں کافی

مطالعہ کی وسعت اور ہمہ گیری کا ایک اثر یہ بھی ہُوا ہے کہ ''دستِ نظر'' میں شامل کچھ غزلیں قدیم و جدید اساتذہ کی بعض معروف زمینوں میں تمام کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ غزلیں :

ع جو وہ تُو نہ رہا تو وہ بات گئی ، جو وہ بات گئی تو مزا نہ رہا
ع یُوں جمالِ رُوئے جاناں شمعِ خلوت خانہ تھا
ع ابھی وہ خوش ابھی ناخوش ، کرم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی
ع مری نظر سے مکمّل بہار گزری ہے
ع ہم پیکرِ جاناں کی دل پر تصویر اُتارا کرتے ہیں
ع دشت میں آئے تو جیتے جی نہ دیوانے گئے

اِن غزلوں کو پڑھ کر ہمارا ذہن بہادر شاہ ظفؔر، خواجہ میر دردؔ، فیضؔ جذبؔی وغیرہ کی معروف غزلوں کی طرف غیرارادی طور پر منتقل ہو جاتا ہے۔ ہر نئی زمین کے اپنے تقاضے اور امکانات ہوتے ہیں۔ اوّل اوّل کسی خاص زمین میں جب کوئی شاعر طبع آزمائی کرتا ہے تو وہ اُس زمین کے تمام تر امکانات کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتا ہے ؛ بعد میں اُس زمین میں غزل کہنے والے شاعر کا کام نسبتاً دشوار ہو جاتا ہے ، کیوں کہ اِس کو اُن راستوں سے بچ بچا کر چلنا پڑتا ہے ، جن پر پہلا شاعر گامزن ہو چکا ہے۔ یہ مرحلہ بغیر

جاں کاہی و جاں پژوہی کے طے نہیں ہوتا۔ نصیرؔ میاں کی ایسی غزلیں اُن کی مشق و ریاضت کا ایک بیّن ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ شمالی ہندوستان میں درگاہ گولڑہ شریف کو ایک بڑے روحانی مرکز کی حیثیّت حاصل رہی ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات آج بھی تشنگانِ بادۂ معرفت کی پیاس بجھا رہے ہیں۔ پیر نصیر الدّین نصیرؔ اِسی غوثیہ، چشتیہ، نظامیہ خانوادے کے نہ صرف چشم و چراغ ہیں، بلکہ شعر و ادب اور علم و فضل کے حوالے سے وہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے حقیقی جانشین بھی دکھائی دیتے ہیں جس پر اُن کو بجا طور پر فخر بھی ہے ؎

مَیں وہ ذرّہ ہُوں، جو ہے مہرِؒ علی سے روشن

کس قدر مجھ پہ عنایت مرے مولا نے کی

نصیرؔ صاحب نے اِسی روحانی اور خانقاہی ماحول میں ہوش سنبھالا اور غیر شعوری طور پر اِس فضا سے گہرے اثرات قبول کیئے؛ جس کے نقوش اُن کے کلام میں بہ آسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔ تصوّف کو ہمیشہ سے ایک فلسفۂ باطنی کا درجہ حاصل رہا ہے، اُن کیفیّات کو جو راہِ سلوک میں ایک سالکِ راہِ طریقت کے دل پر وارد ہوتی ہیں اور اُن مسائل کو جن کا تعلّق براہِ راست اِس فلسفۂ باطنی سے ہے، فارسی اور اُردو کے غزل گو بہت مزے لے لے کر بیان کرتے رہے ہیں۔ حیات و کائنات کی گُتھیاں اِسی حوالے سے سلجھانے کی سعی کی جاتی رہی ہے۔ اظہارِ رُموز و معارف کی یہ تحریک اُردو اور فارسی میں اِس درجہ مُستحکم رہی ہے کہ وہ شاعر بھی، جن کا براہِ راست تعلّق عملی تصوّف سے نہیں رہا؛ جب شعر کہتے تھے تو اِنہی خاص مضامین کی بازگشت اِن کے یہاں سنائی

دیتی۔ ذات، حیات اور کائنات کی اصل ماہیّت اور اِن کے باہمی روابط پر اظہارِ خیال نصیرالدّین نصیؔر کی غزل میں بھی موجود ہے، مگر دُوسرے شاعروں اور اِن میں ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ جو باتیں دُوسرے شاعروں کے یہاں قال ہیں، نصیؔر میاں کے یہاں حال کا درجہ رکھتی ہیں؛ اِس اعتبار سے نصیؔر کی غزل اُردو شاعری کی اُس روایت کا حصّہ محسوس ہوتی ہے، جو خواجہ میر دردؔ، مولانا احمد رضؔا خان، بیدؔم وارثی، اصؔغر گونڈوی حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اور بعض دُوسرے اکابر صوفی شعراء کے ہاتھوں پروان چڑھی۔ نصیؔر صاحب کے چند شعر دیکھئے ؎

دو عالَم کے علاوہ کوئی عالَم اور ہے شاید
اِن آئینوں میں وہ آئینہ گر دیکھا نہیں جاتا

قطرہ جس وقت محوِ دریا ہو
اُس کو دریا نظر نہیں آتا

نگاہ جم نہ سکی اِس لیے مظاہر پر
وُفورِ جلوہ تو خود اک حجاب ہے ساقی

شمع سے بس اک یہی ہم نے سبق سیکھا نصیؔر
بزم در آغوش رہنا اور تنہا بیٹھنا

وصل میں گنجائشِ اغیار اِتنی بھی نہ تھی
چشم و گوش و ہوش، ہر اپنا وہاں بیگانہ تھا

مٹ گیا نقشِ دُوئی عکسِ تجلّی سے نصیؔر
اب نظر آئنۂ ذات میں کون آتا ہے

نصیر الدّین نصیؔر کے وہ متصوّفانہ اشعار خاص طور پر لُطف کا باعث ہیں، جن میں حقیقت اور مجاز گلے ملتے دکھائی دیتے ہیں؛ ایسا ہونا اِس لئے ممکن ہو سکا کہ تصوّف اپنی نوعیّت کے لحاظ سے عشق ہی کی ایک صورت ہے ؎

کل سے مُراد صبحِ قیامت سہی، مگر
اب تم کہاں ملو گے دوبارا، جواب دو!

پھر مرے سامنے آ اور حجابات اُٹھا
زحمتِ جلوہ پھر اے پردہ نشین! تھوڑی سی

کس تکلّف سے کیا اُس نے تماشا اپنا
کس توجّہ سے ہوئی انجمن آرائی بھی

منتظر دیر سے ہُوں، مان بھی جا، سامنے آ
ہو چکا پردہ اب اے جلوۂ جاناں! کافی

ہم لے اُڑے ہیں اُن کی جھلک اک نگاہ میں
بیٹھے رہیں نقاب وہ رُخ پر لئے ہوئے

تمہیں محفل سجا لینے سے مطلب
کوئی آئے، کوئی جائے، تمہیں کیا

تصوّف چوں کہ تزکیۂ باطن اور تہذیبِ نفس پر زور دیتا ہے، اِس لئے اِس کو بجا طور پر علمِ اخلاق کا نائب مناب خیال کیا جاتا ہے۔ ایسی غزل میں جو خانقاہی ماحول سے اپنا آب و رنگ لیتی ہے، اخلاقی نکات کا بیان ایک لازمی امر

ہے۔ نصیر صاحب کی غزل بھی اِس وصف سے خالی نہیں ۔

خار ہی خار زمانے میں نظر آتے ہیں　　اپنے دامن کو بُرائی سے بچا کر چلیئے
روشنی ہو تو چمک اُٹھتی ہے ہر راہِ سیاہ　　دو قدم چلیئے ، مگر شمع جلا کر چلیئے

خُود شناسی جن کے مسلک میں نہیں　　ایسے لوگوں سے کنارا چاہیئے
جان سے جانا ، نہیں مردانگی　　عشق میں جینے کا یارا چاہیئے

کہہ رہا ہے یہ زندگی کا سفر　　پاؤں ہر دم رکاب میں رکھیئے

خود بُرا ہو جو فطرتاً تو اُسے　　کوئی اچھا نظر نہیں آتا

آدمی ، وہ ہوس کا پُتلا ہے　　زندگی بھر شباب مانگے گا

ہوتی آئی ہے یہ زمانے میں　　کام آیا کسی کے ، کب کوئی

غزل میں دوسری اصنافِ شعری کے مقابلہ میں غنائیت کے عناصر کہیں زیادہ پائے جاتے ہیں ، کیوں کہ غزل میں ردیف اور قافیہ ایک خاص ترتیب سے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کو نسبتاً زیادہ کامیابی کے ساتھ گایا جاسکتا ہے۔ ایسے شاعر کے یہاں جس کے شعری ذوق نے خانقاہی فضا میں پرورش پائی ہو اور جہاں سماع ایک خاص اہمیّت کا حامل ہو ، غیر معمولی غنائیت کا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ نصیرالدّین نصیر اپنی غزل کے لئے جہاں مُترنّم بحروں کا انتخاب کرتے ہیں ، وہیں شعر کہتے ہوئے کبھی کبھی کچھ ہم وزن ٹکڑے مصرعوں کے درمیان میں لے آتے ہیں ، جس سے شعر کی اندرونی موسیقی میں اضافہ ہو جاتا ہے ؛ ایسے اشعار میں جہاں نصیر نے مصرعوں کے درمیان قوافی کا التزام بھی کیا ہے ، یہ غنائی کیفیت اپنے عروج پر دکھائی

دیتی ہے ؎

اُن کے جلووں سے مُزیّن دونوں آنکھیں ہیں مری
اُن کا خاکہ، اُن کا نقشہ، اُن کی صورت دل میں ہے
اُن کی حسرت، اُن کا ارماں، اُن کی الفت، اُن کا غم
کیا بتائیں، کیا کہیں، کیا کیا ہمارے دل میں ہے

مری زیست پُر مُسرّت کبھی تھی، نہ ہے، نہ ہو گی
کوئی بہتری کی صورت کبھی تھی، نہ ہے، نہ ہو گی

کیا کہا جا سکے اُس نظر کو اور پھر اُس نظر کے اثر کو
نفع سمجھیں جو دل کے ضرر کو، اُن اشاروں سے اللہ بچائے
ہم فقیروں کو اُن کی طلب کیا، مِلنے جُلنے کا آخر سبب کیا
لُطف کیا، اُن کا غیظ و غضب کیا، شہریاروں سے اللہ بچائے

''دستِ نظر'' کی طرح ''پیمانِ شب'' میں شامل غزلیات کا فنّی و لسانی پہلو بلا شُبہ امیر مینائی اور داغ کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ لُطفِ زبان و بیان، لب و لہجہ کی صفائی اور لفظوں کے رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے اِن ہر دو اُردو مجموعوں کا یہ پہلو بھی خاص توجّہ کا طالب ہے۔ بات کتنی ہی اچّھی کیوں نہ ہو اگر کہنے والا اُس کی ادائیگی میں مناسب پیرایۂ اظہار اختیار نہیں کرتا تو کسی صورت میں بھی سُننے والے پر وہ اثر مُرتّب نہیں ہو گا، جو قائل کا مقصود ہے۔ مناسب پیرایہ سے ہماری مُراد روز مرّہ اور محاورہ کی صحّت اور لب و لہجہ کا وہ حُسن ہے، جو فنّی رچاؤ کے بغیر سامنے نہیں آتا۔ نظم و نثر کی اِس خصوصیّت کو عُلمائے بیان نے فصاحت و بلاغت کا نام دیا ہے۔ فصاحت سے مُراد کلام کا لسانی اَغلاط

سے پاک ہونا ہے اور ایسا کلام جو اغلاط سے پاک ہوتا ہے، وہی بلیغ بھی ہوتا ہے۔ کیوں کہ اُس کو سُن کر سامع کسی قسم کی اُلجھن کا شکار نہیں ہوتا، گویا بلاغت، فصاحت کا لازمی نتیجہ یا اثر ہوتی ہے۔ نصیؔر صاحب شعر کہتے ہوئے صحّتِ لفظی کا، جس میں روزمرّہ اور محاورہ دونوں شامل ہیں، حد درجہ خیال رکھتے ہیں۔ اُن کی غزل پڑھ کر اِس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ اُردو زبان کے مُسلَّمہ مراکز سے دُور گولڑہ شریف میں رہنے والے ایک شاعر نے اہلِ زبان جیسی مہارت کہاں سے حاصل کرلی۔ اُن کے یہاں لُطفِ روزمرّہ و محاورہ کے پہلو بہ پہلو، لفظی مناسبتوں کا خیال، خاص شیرازہ بند ردیفوں کا استعمال (جو غزل میں ایک خاص ذہنی فضا کی تشکیل کرتی ہیں) کہیں کہیں بیان میں شوخی، غزل کے اُس لہجہ کی تعمیر کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، جو آج کے دَور میں پیر نصیر الدّین نصیؔر سے مخصوص ہے۔

قدرتِ کلام اِن کی غزل کا اضافی وصف ہے۔ نصیؔر، نامانوس قوافی کا استعمال انتہائی مہارت کے ساتھ کرتے ہیں۔ اِس طرح کہ لُطفِ بیان کہیں کم نہیں ہونے پاتا۔ یہ صورتِ حال اُس ریاض و محنت کا حاصل ہے، جس سے شاعر نے خود کو گزارا ہے۔ آیئے اُن کے چند شعر دیکھیں۔

لہجہ کا حُسن:

بے وفا بھی رہے، خفا بھی رہے — آپ بھی ہیں بڑے عجب کوئی

اگر سُنو تو تمام و کمال حال سُنو — ہم ابتدا سے سُنائیں گے، درمیاں سے نہیں

دیر سے میکدے میں بیٹھے ہو — شیخ جی! جام بھی مِلا کوئی!

لفظ کا باسلیقہ استعمال

خاکِ پروانہ ہو گئی برباد کوئی پُرساں دمِ سحر نہ ہُوا

اِس شعر میں لفظِ برباد اپنے لغوی معنیٰ میں کس خوبصورتی سے صَرف ہُوا ہے یعنی ہَوا میں بکھر جانے کے مفہوم میں۔

مکالماتی حُسن

جب کہا ہم نے کہ ہم سے یہ تکلّف کیسا
نیچی نظروں سے کہا اُس نے، حیا اچّھی ہے
مَیں یہ کہتا ہُوں، مری آہِ رسا سے ڈریئے
وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ تیز ہَوا اچّھی ہے
مسکرائے، جو نظر آئی شبیہِ یوسفؑ
مَیں نے پوچھا کہ یہ کیسی ہے، کہا، اچّھی ہے

شوخیِ طبع

جب اپنے گھر پہ بلاتا ہُوں مَیں کبھی اُن کو
اُنہیں ضرور کوئی خاص کام ہوتا ہے

دیکھ رہا ہے غور سے اُن کو
آنے والا، جانے والا

اللہ سُدھارے قاصدوں کو
جائیں گے جہاں بھی، جم رہیں گے

لفظی صنعت گری تجنیس و ترصیع وغیرہ

خدا گواہ کہ اہلِ نظر کے مشرب میں
شرابِ حُسن سے بہتر کوئی شراب نہیں

نظر کو ہے وہ مقام حاصل کہ ہر جگہ ہے جمالِ کامل
نہ اُن کا جلوہ نقاب میں تھا، نہ اُن کا جلوہ نقاب میں ہے

اِس تمام گفتگو کے بعد جب ہم نصیرؔ میاں کا یہ شعر پڑھتے ہیں تو ہمیں اِس میں کوئی شاعرانہ تعلّی محسوس نہیں ہوتی ۔

مؤثّر یہ کلام اپنا، یہ اندازِ بیاں اپنا
خدا کی دین ہے یہ بھی، اِسے فضلِ خدا کہیے

مَیں نے بھی گُہر ایسے چُنے کانِ سُخن سے
اُمّید ہے، رکھّیں گے مجھے اہلِ زباں یاد

ڈاکٹر توصیف تبسّم
اسلام آباد، پاکستان
12 / جنوری 2000ء

◎

اِسی باعث قلم سے وصف کرتے ہیں رقم تیرا
نہایت پُر خطا ہیں، نام لیں کس مُنہ سے ہم تیرا

یہ ماضی، حال، مستقبل فقط کہنے کو ہیں میرے
ازل تیرا، ابد تیرا، یہ موجود و عدم تیرا

الٰہُ العالَمیں تُو ہے، بشر تیرے، مَلک تیرے
زمیں تیریؔ، فلک تیرا، عرب تیرا، عجم تیرا

بجز تیرے نہیں کوئی بھی میرا دین و دنیا میں
دو عالم میں سہارا ہے مجھے تیری قَسَم، تیرا

کسی کے حُسنِ نادیدہ کی جانب اک اشارہ ہے
گلستاں میں یہ اک جھونکا نسیمِ صبح دم تیرا

ترے ہونے کو ثابت کر رہا ہے جُھومنا اِس کا
زمیں پر ہے شجر کے رُوپ میں جُنباں عَلَم تیرا

بھلا مایوس کیوں لوٹے نصیرِ بے نوا یا رب!
کُھلا ہے جب گدا و شاہ پر بابِ کرم تیرا

◎

جب تک یہ سلسلہ رہے شام و پگاہ کا
ڈوبے نہ آفتاب ترے عزّ و جاہ کا

آتا نہیں پسند اُسے خُلد کا سماں
خاکہ ہے جس نظر میں تری گردِ راہ کا

قلب و نظر کے فیصلے دو ٹوک ہو گئے
کیا پوچھنا ہے آپ کی پہلی نگاہ کا

مجھ ذرّۂ حقیر کو بخشا یہ مرتبہ
فیضان دیکھئے مرے عاجز پناہ کا

قلبِ حزیں کی اور ہو کیا قدر و منزلت
یہ بھی ہُوا شکار تری دامگاہ کا

یارب نصیر کی ہے تہِ دل سے یہ دُعا
اقبال اوج پر ہو مرے کج کُلاہ کا

◎

جو وہ تُو نہ رہا تو وہ بات گئی جو وہ بات گئی تو مزا نہ رہا
وہ اُمنگ کہاں، وہ ترنگ کہاں، وہ مزاجِ وفا و جفا نہ رہا

شب و روز کہیں بھی الگ نہ ہُوا، شب و روز کہاں وہ مِلا نہ رہا
رگِ جاں سے ہماری قریب رہا، رگِ جاں سے ہماری جُدا نہ رہا

کسی شکل میں بھی، کسی رنگ میں بھی، کسی رُوپ میں بھی، کسی ڈھنگ میں بھی
وہ ہماری نظر سے چُھپا تو مگر وہ ہماری نظر سے چُھپا نہ رہا

تھی خزاں کے لباس میں کس کی نظر کہ جُھلستی گئی ہے تمام شجر
کسی شاخ پہ تازہ کلی نہ رہی، کوئی پتّہ چمن میں ہرا نہ رہا

تیرے ظلم و ستم ہوئے مجھ پہ جو کم تو یہ حال مرا ہے قدم بہ قدم
وہ تڑپ نہ رہی وہ جلن نہ رہی، غم و درد میں اب وہ مزا نہ رہا

دستِ نظر
5

بے اشک وفورِ ملال میں جب ، کُھلے راز تمام ، ہُوا یہ غضب
کوئی بات کسی سے چُھپی نہ رہی ، کوئی حال کسی سے چُھپا نہ رہا

دمِ دید ہزار حواس گئے ، رہے دُور ہی دُور کہ پاس گئے
ہمیں دیکھنا تھا اُنہیں دیکھ لیا ، کوئی بیچ میں پردہ رہا نہ رہا

مرے دم سے تھے نقش و نگارِ جُنوں ، مرے بعد کہاں وہ بہارِ جُنوں
کسی خار کی نوک پہ کیا ہو تَری ، کوئی دشت میں آبلہ پا نہ رہا

مرے پاس جو آ بھی گیا ہے کبھی ، تو یہ ڈھنگ رہے تو یہ شکل رہی
وہ ذرا نہ کُھلا ، وہ ذرا نہ کِھلا ، وہ ذرا نہ تھما ، وہ ذرا نہ رہا

کیے تیری نگاہ نے جس پہ کرم ، رہا دونوں جہان میں اُس کا بھرم
جسے تیرے غضب نے تباہ کیا ، کہیں اُس کا بھرم بخدا نہ رہا

جو نصیرؔ ہم اُن سے قریب ہوئے ، تو حیات کے رنگ عجیب ہوئے
غمِ ہجر میں اور ہی کچھ تھی خلش ، وہ خلش نہ رہی وہ مزا نہ رہا

◎

جو بچھڑا تھا وہ پیارا مِل گیا ہے
خدا رکھّے، دوبارا مِل گیا ہے

اُن آنکھوں کا اشارا مِل گیا ہے
مرے دل کو سہارا مِل گیا ہے

خُدا ہے ناخدا بحرِ وفا میں
سفینے کو کنارا مِل گیا ہے

ہُوئی پوری مرے دل کی تمنّا
مجھے بھی دَر تمہارا مِل گیا ہے

لرزتی ہے شبِ غم کی سیاہی
مری آنکھوں کو تارا مِل گیا ہے

سُلگ اُٹھّا ہے کیا کیا داغِ حسرت
مرے دل کو شرارا مِل گیا ہے

چُھپا تھا گیسوئے پُرخَم میں اُن کے
دلِ مضطر ہمارا "مِل گیا ہے"

نصیرؔ اک روز وہ بھی آملیں گے
مرا اُن کا ستارا "مِل گیا ہے"

○

الٰہی ! مطمئن ہوں گے نہ اب گلشن میں ہم کب تک
فضائے رنگ و بُو کے یہ کرشمے دم بدم کب تک

تمہیں کہہ دو ، ہمیں رہنا ہے محرومِ کرم کب تک
بھروسہ کیا ہے ، اِس دُنیا میں ، تم کب تک ہو ، ہم کب تک

ہمیں چکرائیں گے دیر و حرم کے پیچ و خم کب تک
یونہی پھرتے رہیں گے اِن گزرگاہوں میں ہم کب تک

محبّت مطمئن ہے صبر کے مضبوط حلقے میں
مگر اب کیا کہیں ، جاری رہے رسمِ ستم کب تک

مآلِ کار ، قسمت ہے گرفتارِ بلا ہونا
کوئی سلجھائے گا آخر تری زلفوں کے خم کب تک

8

ہمارا تذکرہ بھی صفحۂ ہستی پہ لکھنا ہے
مگر دیکھیں کہ چلتا ہے مؤرِّخ کا قلم کب تک

ہوس کو چھوڑ دے، شانِ قناعت خود میں پیدا کر
غمِ سُود و زیاں کیوں، اور فکرِ بیش و کم کب تک

کیا ہے وعدہ آنے کا، مگر اب یہ خبر کس کو
وہ کب آئیں ہمارے گھر، وہ فرمائیں کرم کب تک

مرے پیمانۂ فکر و نظر کا ذکر ہو ساقی!
رہے گی میکدے میں داستانِ جامِ جم کب تک

کوئی تسکینِ دل کی شکل اب نکلی، نہ جب نکلی
نصیرؔ آخر محبّت میں پریشاں ہوں گے ہم کب تک

◎

وقت ، جب انقلاب مانگے گا
ہر نفَس کا حساب مانگے گا

مجھ کو پینی تھی چشمِ ساقی سے
لوگ سمجھے ، شراب مانگے گا

کیجیے اُن پہ مت ہجومِ نگاہ
اُن کا چہرہ نقاب مانگے گا

آپ اپنے ہیں وہ تماشائی
کون،کس سے حساب مانگے گا

جام زاہد کے پاس ہے اب تک
پھر یہ خانہ خراب "مانگے گا"

آدمی وہ ہوس کا پُتلا ہے
زندگی بھر شباب مانگے گا

چشمِ ساقی نصیؔر اُٹھے تو سہی
پارسا بھی شراب مانگے گا

◎

آئنہ تیرا ، چمن ہو جیسے — تُو ہی تُو عکس فگن ہو جیسے
دَورِ حاضر کا چلن ہو جیسے — حیلہ سازی ترا فن ہو جیسے
غیر سے بات کا ڈھب تو دیکھو — اِس طرف رُوئے سخن ہو جیسے
رات یُوں ہم کو نظر آئے تم — چاند کی پہلی کرن ہو جیسے
بات میں لوچ ، نگاہوں میں لچک — ہر ادا اُن کی ، دُلہن ہو جیسے
دل کا یہ حال ہے مایوسی میں — کوئی غُربت میں مگن ہو جیسے
ہے فلک کب سے مُسلّط ہم پر — سایۂ پیرِ کُہَن ہو جیسے
یوں مہکتی ہے صبا گلشن میں — تیری خوشبوئے بدن ہو جیسے
ایسی درماندہ ہے دُل کی دھڑکن — تیرے لہجے کی تھکن ہو جیسے
اِس طرح کھنچ کے چلا آیا ہُوں — تم سے کُچھ خاص لگن ہو جیسے
اِس قدر گردشِ دوراں کا خیال — آپ ہی کا وہ چلن ہو جیسے

آپ تو بیٹھے ہیں یُوں جَم کے نصیر
اُن کا کوچہ ہی وطن ہو جیسے

◎

زمانے کے سب پیچ و خَم جانتے ہیں
نہیں جانتے تم، جو ہم جانتے ہیں
تمہیں کیا خبر، جو گزرتی ہے ہم پر
جو ہم پر گزرتی ہے، ہم جانتے ہیں
نہ مَے سے، نہ ہیں بے خبر لُطفِ مَے سے
یہ سب راز شیخِ حرم جانتے ہیں
نہ پہچاننے میں تو اک مصلحت ہے
مرا نام وہ کم سے کم جانتے ہیں
دمِ میکشی، لاکھ اِغماض برتیں
ہمیں واعظِ محترم جانتے ہیں
مآلِ محبّت پہ تکرار کیسی
نہ تم جانتے ہو نہ ہم جانتے ہیں

اُنہیں میرے اچّھے بُرے کی خبر ہے
وہ سب کچھ خدا کی قَسَم جانتے ہیں

حقیقت تو یہ ہے ، ہم اہلِ وفا کو
بہت جان کر بھی وہ کم جانتے ہیں

اک اک سانس ہے صَوت و آہنگِ ہستی
ہم اِس ساز کے زِیر و بم جانتے ہیں

تمہارے اشارے ہیں معلوم ہم کو
تمہارے تقاضوں کو ہم جانتے ہیں

وہ کتنے ہیں بھولے ، وہ کتنے ہیں ظالم
نصیرؔ ! آپ کیا جانیں ، ہم جانتے ہیں

◎

نام لے کر ترا، مرا کوئی　　کر گیا عرضِ مدّعا کوئی

کیا بتائے ؟ کہے تو کیا کوئی　　غم کی ہوتی ہے انتہا کوئی ؟

باتوں باتوں میں لے اُڑا کوئی　　دل کا ملتا نہیں پتا کوئی

تیری آہٹ سمجھ کے دل چونکا　　آئی کانوں میں جب صدا کوئی

اِک قیامت ہے تیری انگڑائی　　ٹوٹ جائے نہ آئنا کوئی

تیری باتوں کے تھے ہزار جواب　　احتراماً ہی چُپ رہا کوئی

دیر سے میکدے میں بیٹھے ہو　　شیخ جی ! جام بھی ملا کوئی ؟

موت کو بھی گلے لگائیں لوگ　　ہو جو اِس میں تری ادا کوئی

غم سے بڑھ کر ہے عرضِ غم پہ سکوت　　کچھ تو کہتا بُرا بَھلا کوئی

سب نہیں ہیں نصیرؔ بیگانے
مِل ہی جاتا ہے آشنا کوئی

◎

سُکوں ملے نہ ملے یا قرار ہو کہ نہ ہو
چمن کی خیر الٰہی ! بہار ہو کہ نہ ہو

ہم اُس کے یار ہیں، وہ اپنا یار ہو کہ نہ ہو
ہمیں تو اُس سے ہے پیار، اُس کو پیار ہو کہ نہ ہو

اَٹی ہوئی ہیں تلوّن کی دُھول سے نظریں
کھنچے کھنچے تو ہو، دل میں غبار ہو کہ نہ ہو

مجھے ہے تم سے محبّت، مجھے ہے تم پہ یقیں
مری قَسم کا تمھیں اعتبار ہو کہ نہ ہو

تجھے تو اپنی ستم رانیوں سے مطلب ہے
تری بلا سے کسی کو قرار ہو کہ نہ ہو

ہمارے دل کے ہو مالک تمھیں دو عالَم میں

تمھارے دل پہ ہمیں اختیار ہو کہ نہ ہو

اب آ گئے ہو ، تو کچھ دیر میرے پاس رہو
یہ اتّفاقِ حَسیں بار بار ہو کہ نہ ہو
گُلوں کے حال پہ شبنم ضرور روئے گی
وہ آنکھ میرے لئے اشکبار ہو کہ نہ ہو
نصیؔر ! شمع تو جَلتی رہے گی محفل میں
بَلا سے کوئی پتنگا نثار ہو کہ نہ ہو

◎

عشقِ بے پایاں کا حاصل اور ہے — شوقِ منزل اور، منزل اور ہے

دے کے دل اُن کو یہ مشکل اور ہے — روز کہتے ہیں، کوئی دل اور ہے؟

عقل والے اپنی اپنی راہ لیں — اُن کے دیوانے کی منزل اور ہے

کیا عجب محشر میں یہ کہنا پڑے — وہ نہیں ہیں، میرا قاتل اور ہے

ناخدا! تُو نے کہاں پہنچا دیا — یہ تو ہے منجدھار، ساحل اور ہے

ہجر سے چُھوٹے تو زلفوں میں پھنسے — اک بلا اب سَر پہ نازل اور ہے

حضرتِ واعظ! یہاں سے جائیے — میکدے میں رنگِ محفل اور ہے

آئنے کو دیکھ کر شرمائے کیوں — کیا کوئی مدِّ مقابل، اور ہے؟

آپ کو ضد ہے تو پھر یُوں ہی سہی — آج سے اب اپنی منزل اور ہے

تم سے پِھر جائے، یہ ممکن ہی نہیں — غیر کا ہوگا، مرا دل اور ہے

اگلے لوگوں کی کہاں باتیں نصیرؔ!
اب زمانہ اور، محفل اور ہے

◎

دل میں شُعلے سے اُٹھے آہِ رسا سے پہلے
آتشِ عشق بھڑک اُٹھی، ہَوا سے پہلے

غنچۂ موج ہے، گردابِ بلا سے پہلے
مسکرا دیتے ہیں وہ، مجھ پہ جفا سے پہلے

عشق، اور اُس بُتِ کافر کا، الٰہی! توبہ
نام بھی اُس کا اگر لو، تو خُدا سے پہلے

رازِ ہستی کو سمجھ لینے کی ضد ہے بیکار
نہ کُھلا ہے نہ کُھلے گا یہ قضا سے پہلے

رُخ سے پہلے، تری زُلفوں پہ نظر جاتی ہے
واسطہ پڑتا ہے اِس کالی بلا سے، پہلے

اُن کو چاہو تو ذرا سوچ سمجھ کر چاہو
ظلم ڈھاتے ہیں وہ الطاف و عطا سے پہلے

چارہ گر ! ہے یہ ترا حرفِ تسلّی تہ دار

تُو نے جینے کی دُعا دی ہے، دوا سے پہلے

اُن کے اِس طرزِ عمل نے مجھے ڈالا شک میں

دیر تک چُپ وہ رہے، عہدِ وفا سے پہلے

حشر میں چشمِ ندامت سے بنا کام نصیرؔ

اشک پر اشک بہے عُذرِ خطا سے پہلے

◎

رنگ پر آئے جُنوں، خَلق میں افسانہ بنوں
تم جو دیوانہ کہو مجھ کو، تو دیوانہ بنوں

بے خودی میرا قرینہ ہو، کہ فرزانہ بنوں
کوئی صورت ہو، مگر اُن سے نہ بیگانہ بنوں

غم کی رُوداد بنوں، درد کا افسانہ بنوں
تم بتاؤ جو محبّت میں تو مَیں کیا نہ بنوں

بادۂ حُسن وہ چھلکائیں تو گلشن میں ذرا
ہر گُلِ تر کی تمنّا ہے کہ پیمانہ بنوں

مجھ کو مدّت سے یہ ارماں ہے کہ اُلٹیں وہ نقاب
دولتِ حُسنِ خداداد کا نذرانہ بنوں

سوز نے شمع کی مانند جلا رکھّا ہے
پَر بھی مِل جائیں تو مَیں شمع سے، پروانہ بنوں

وہ تو سَو رنگِ جُنوں بخش گئے مجھ کو نصیؔر
اب یہ مجھ پر ہے کہ دیوانہ بنوں یا نہ بنوں

◎

تُو اگر بے نقاب ہو جائے
جُستجو ، کامیاب ہو جائے

عکس پڑ جائے جو ترے رُخ کا
آفتاب ، آفتاب ہو جائے

دیکھ لے اک نظر اگر ساقی
سادہ پانی شراب ہو جائے

چھوڑ دوں مَیں اگر تمہارا دَر
میری مٹّی خراب ہو جائے

ہاتھ رکھ دو جو تم مرے دل پر
درد کا سدِّباب ہو جائے

اُن کی آنکھیں جو آئیں گردش میں
رُونما انقلاب ہو جائے

شرحِ عشق و وفا لکھے جو نصیرؔ
اچھی خاصی کتاب ہو جائے

عافیت دُور رہی فطرتِ انسانی سے
بچ سکا کون زمانے میں پریشانی سے

اک سماں بندھ گیا جلووں کی فراوانی سے
آئنہ تکنے لگا مُنہ ترا، حیرانی سے

کیوں نہ اے دستِ جنوں تیری بلائیں لے لوں
خوش ہُوا کوئی، مری چاک گریبانی سے

مسکراتا ہی رہا حرفِ تمنّا سُن کر
ٹال دی اُس نے مری بات، کس آسانی سے

شیخ جی! بادۂ سرجوش کی یہ تعریفیں
بات جب ہے کہ وضو بھی ہو اِسی پانی سے

اُن کا آنا ہی نظر آتا ہے دشوار مجھے

موت کا کیا ہے، وہ آ جائے گی آسانی سے

اُس کا بندہ ہُوں، جو ہے دائم و باقی دائم
لاکھ فانی ہُوں، تعلّق تو ہے لافانی سے

ہم نے مانا کہ ہے دُشوار تمہارا مِلنا
ہاتھ آتے نہیں ہم لوگ بھی آسانی سے

تاجدارانِ جہاں، جُھک کے مِلا کرتے ہیں
یہ شرف ہم کو مِلا ہے تری دربانی سے

علم، جاں سوزی و جاں کاہی و جاں کاوی ہے
ہاتھ آتی ہے جہالت ہی، تن آسانی سے

حُبِّ دیں، عشقِ نبیؐ، خوفِ خدا، جس میں نہ ہو
ہم تو باز آئے نصیؔر ایسی مُسلمانی سے

◎

ہمارے نام خط آیا تو ہوتا　　ہمیں یُوں اُس نے بہلایا تو ہوتا

کبھی یہ تذکرہ آیا تو ہوتا　　جو دل لینا تھا، فرمایا تو ہوتا

کچھ آدابِ وفا بھی آ ہی جاتے　　کسی پر دل ترا آیا تو ہوتا

مرا صبر و تحمّل دیکھنے کو　　کبھی مجھ پر ستم ڈھایا تو ہوتا

سر آنکھوں پر تجھے قاصد بٹھاتے　　کوئی اچھّی خبر لایا تو ہوتا

ٹھہرتے ہم کہاں دشتِ بلا میں　　کہیں بھی نام کو سایا تو ہوتا

ثنا خواں غیر ہے کاکُل کا تیری　　اِسے پھانسی پہ لٹکایا تو ہوتا

یقیناً مہرباں ہوتے وہ ہم پر　　کسی نے اُن کو سمجھایا تو ہوتا

نصیر اُس انجمن میں ہم بھی جاتے
کسی نے ہم کو بُلوایا تو ہوتا

◎

جب اچانک مجھے یاد آپ کی آجاتی ہے
دل کی دنیا میں عجب حشر اُٹھا جاتی ہے

جب وہ خوشبوئے بدن لاتی ہے بادِ سحری
میری اُمّید کے غنچوں کو کِھلا جاتی ہے

تھرتھرا اُٹھتے ہیں سُن سُن کے شبِ غم، تارے
آسماں تک مرے نالوں کی صدا جاتی ہے

لمحہ بھر کو جو ذرا چین سے سو جاتا ہُوں
آپ کی یاد مجھے آ کے ستا جاتی ہے

فصلِ گُل ہوتی ہے دو روز کی مہمان، مگر
آ کے گلشن میں نئی دھوم مچا جاتی ہے

اب نہیں کوئی ضرورت کسی قاصد کی نصیر

لے کے پیغام مرا آہِ رسا جاتی ہے

◎

غیر کو دیکھ کے غیرت سے پگھل جاؤں گا
صورتِ شمع تری بزم میں جل جاؤں گا

وہ بلاتے ہی رہیں مَیں تو مچل جاؤں گا
اُن کی محفل میں نہ آج اور نہ کل جاؤں گا

اِتنا بھولا نہیں ، باتوں سے بہل جاؤں گا
وہ سمجھتے ہیں کہ ٹالیں گے تو ٹل جاؤں گا

آسرا مجھ سے یہ کہتا ہے کہ پھوٹے گی سحر
غم کا کہنا ہے اندھیرے میں نِگل جاؤں گا

آپ کیوں اتنے پریشاں ہیں جنابِ ناصح
ٹھوکریں کھا کے زمانے کی سنبھل جاؤں گا

گلشنِ دہر کا اِک برگِ خزاں دیدہ ہُوں
خاک ہو جاؤں گا ، سڑ جاؤں گا ، گل جاؤں گا

آپ پھرتے ہیں اگر قول سے بیشک پھر جائیں
مَیں تو ایسا نہیں جو بات بدل جاؤں گا

ہے ارادہ تو مرا کوچہٗ جاناں کا نصیرؔ
دل نہ مانا ، تو کہیں اور نکل جاؤں گا

◎

بہ صد خُلوص ، بہ صد افتخار گزری ہے
وہ زندگی ، جو سرِ کُوئے یار گزری ہے

گُلوں کا رنگ لیے شکلِ یار گزری ہے
مری نظر سے مکمّل بہار گزری ہے

غم والَم کے ، اذیّت کے ، کرب زاروں میں
تڑپ تڑپ کے شبِ انتظار گزری ہے

نَفَس نَفَس میں چُبھن تھی ، قدم قدم پہ خلش
تمام عُمر سرِ نوکِ خار گزری ہے

قفس میں حال نہ پوچھا صبا نے آ کے کبھی
مرے قریب سے بیگانہ وار گزری ہے

سُکونِ دل نہ میسّر ہُوا زمانے میں
ہماری زیست بڑی بے قرار گزری ہے

وہ ایک بار جدھر سے گزر گئے ہیں نصیر!
ہزار بار اُدھر سے بہار گزری ہے

◎

آپ اِس طرح تو ہوش اُڑایا نہ کیجیے

یُوں بن سنور کے سامنے آیا نہ کیجیے

یا سَر پہ آدمی کو بٹھایا نہ کیجیے

یا پھر نظر سے اُس کو گرایا نہ کیجیے

یُوں مَدھ بھری نگاہ اُٹھایا نہ کیجیے

پینا حرام ہے تو پلایا نہ کیجیے

کہیے تو آپ محو ہیں کس کے خیال میں

ہم سے تو دل کی بات چُھپایا نہ کیجیے

تیغِ ستم سے کام جو لینا تھا ، لے چکے

اہلِ وفا کا یُوں تو صَفایا نہ کیجیے

مَیں آپ کا ، گھر آپ کا ، آئیں ہزار بار

لیکن کسی کی بات میں آیا نہ کیجیے

اُٹھ جائیں گے ہم آپ کی محفل سے آپ ہی

دشمن کے رُوبرو تو بٹھایا نہ کیجیے

دل دُور ہوں تو ہاتھ مِلانے سے فائدہ ؟

رسمًا کسی سے ہاتھ مِلایا نہ کیجیے

محروم ہوں لطافتِ فطرت سے جو نصیر

اُن بے حِسوں کو شعر سُنایا نہ کیجیے

◎

مہرباں تھا جو روز و شب، کوئی
اُس کو لے آئے کاش اب کوئی

چشمِ ساقی میں التفات نہیں
اب کہاں جائے تشنہ لب کوئی

ہوتی آئی ہے یہ زمانے میں
کام آیا کسی کے کب کوئی

تذکرہ اہلِ دل کا چل نکلا
چھیڑتا میری بات اب کوئی

یُوں ہیں خاموش عرضِ حال پہ وہ
سِی کے بیٹھا ہو جیسے لب کوئی

اُن سے مِل! بات کر! نگاہ مِلا
دل لُٹانے کا ہو سبب کوئی

ہم سے وہ چل چکے بہت چالیں
چال ہم بھی چلیں گے اب کوئی

آپ کو جب کسی کی چاہ نہیں
کیوں کرے آپ کی طلب کوئی

میکدہ ہے، شراب پی، زاہد!
سیکھ لے زندگی کا ڈھب کوئی

اُن پہ کہنے کو لوگ مرتے ہیں
جان دیتا ہے اپنی کب کوئی

بے وفا بھی رہے، خفا بھی رہے
آپ بھی ہیں بڑے عجب کوئی

آپ آتے، کوئی پیام آتا
یُوں بسر ہوتی اپنی شب کوئی

جاں بہ لب ہے نصیرِ سوختہ جاں
کاش لے آئے اُن کو اب کوئی

◎

اپنوں کے ستم ، اُن کی جفا یاد کریں گے
ہم جرمِ محبّت کی سزا یاد کریں گے

تُو آ گئی ، آنا تھا جنہیں وہ نہیں آئے
ہم بھی تجھے کیا کیا نہ صبا یاد کریں گے

مَیں نے دمِ رُخصت جو کہا "بُھول نہ جانا"
یہ سُن کے رُکے ، اور کہا "یاد کریں گے"

اب حرفِ تسلّی کا تکلّف نہ کریں وہ
جو دل سے بُھلا بیٹھے ، وہ کیا یاد کریں گے

ہم بُھول کے اب نام بھی لیں گے نہ وفا کا
وہ چوٹ لگی ہے کہ سدا یاد کریں گے

ہم چشمِ تصوّر میں سجا لیں گے وہ آنکھیں
یُوں پینے پلانے کا مزا یاد کریں گے

یاروں پہ نصیرؔ آپ دل و جاں سے فدا تھے
وہ پھر گئے سب، آپ بھی کیا یاد کریں گے

◎

سینکڑوں بے قرار پھرتے ہیں　　طالبِ وصلِ یار پھرتے ہیں

اُن کے مشتاق، اُن کے دیوانے　　ہر طرف بے شمار پھرتے ہیں

دُھوم بھی ہے، دُہائی بھی اُن کی　　کر کے سولہ سنگھار پھرتے ہیں

پُھول کیا سر اُٹھا کے بات کریں　　باغ میں گُل عِذار پھرتے ہیں

نام سُن کر مرا وہ کہنے لگے　　ایسے ویسے ہزار پھرتے ہیں

مجھ کو ہو خاک اعتبار اُن پر　　قول سے بار بار پھرتے ہیں

چاند سورج ہیں اُن کے وارفتہ　　رات دن، بے قرار پھرتے ہیں

اُن کے کُوچے میں ایک آدھ نہیں　　پاسباں، تین چار، پھرتے ہیں

جلوۂ یار کی تمنّا میں　　لوگ دیوانہ وار پھرتے ہیں

اُن کی محفل سے لُوٹنے والے　　لُوٹ کر ہر بہار پھرتے ہیں

یہ ہے توہینِ میکدہ، ساقی!　　تشنہ لب، میگسار پھرتے ہیں

اے نصیر اُن کی چاہ میں لاکھوں
کھو کے صبر و قرار پھرتے ہیں

◎

یوں وہ محفل میں بصد شان بنے بیٹھے ہیں
میرا دل اور مری جان بنے بیٹھے ہیں

اُن کی صورت نکھر آئی پسِ زینت کیا کیا
دیدۂ خلق کا ارمان بنے بیٹھے ہیں

جن کو آداب تک آتے نہیں دربانی کے
آج اُس در پہ وہ دربان بنے بیٹھے ہیں

مجھ کو دیکھا تو غضب ناک ہوئے ، ٹوٹ پڑے
کیا خبر تھی کہ وہ طوفان بنے بیٹھے ہیں

جو ہیں سلطان ، وہ پھرتے ہیں گداؤں کی طرح
جو گداگر ہیں ، وہ سلطان بنے بیٹھے ہیں

محفلِ ناز میں بلوا بھی لیا ہے مجھ کو
اور پھر مجھ سے وہ انجان بنے بیٹھے ہیں

اہلِ دل پر نہ وہ غصّہ ہے، نہ وہ قہر و ستم
خیر سے آج وہ انسان بنے بیٹھے ہیں

دیکھتے ہی نہیں قصدًا وہ ہماری جانب
جان کر ہم سے وہ انجان بنے بیٹھے ہیں

اے نصیرؔ اُن کی اداؤں کے کرشمے دیکھو
ہر تماشے کا وہ عنوان بنے بیٹھے ہیں

◎

ہم اپنی طرف اُن کی نظر دیکھ رہے ہیں
حیرت ہے کہ وہ آج اِدھر دیکھ رہے ہیں

محفل میں نہیں اور کوئی شغل ہمارا
ہم آپ کے اندازِ نظر دیکھ رہے ہیں

نیرنگیِ عالم کا یہ عالم ، ارے توبہ
کیا کہیئے ، جو ہم شام و سحر دیکھ رہے ہیں

ہم کو نظر آتا نہیں کچھ اور کہیں بھی
جلوے ترے تا حدِّ نظر دیکھ رہے ہیں

بیٹھا ہُوا چُپ چاپ یہ مَیں دیکھ رہا ہُوں
دُزدیدہ نظر سے وہ اِدھر دیکھ رہے ہین

وہ لوگ نصیرؔ ! اپنے گریباں میں بھی جھانکیں
جو لوگ مرے عیب و ہُنر دیکھ رہے ہیں

◎

ٹھان لی مَیں نے بھی ساقی ! یہیں مر جانے کی
کتنی دلکش ہیں فضائیں ترے میخانے کی

واہ کیا خوب نشانی ہے یہ میخانے کی
دل میں تصویر کھنچی رہتی ہے پیمانے کی

صَرفِ غم ، خاک بسر، چاک گریباں، مضطر
قابلِ رحم ہے صورت ترے دیوانے کی

چاند بدلی میں جو دیکھا تو مجھے یاد آیا
اِس میں بھی ایک جھلک ہے ترے شرمانے کی

یاد آتی ہیں کسی کی وہ نشیلی آنکھیں
دیکھ کر شکل چھلکتے ہوئے پیمانے کی

نزع کے وقت کہیں آپ پہ الزام نہ آئے
اِس گھڑی آپ نہ تکلیف کریں آنے کی

تُو سلامت رہے ، گلشن کی بہاریں دیکھے
یہ دُعا تھی دمِ آخر ترے دیوانے کی

رندِ بدمست کی توبہ بھی کوئی توبہ ہے
ٹُوٹ جائے گی چھلک دیکھ کے پیمانے کی

مَیں وہ ذرّہ ہُوں، جو ہے مہرِ علیؓ سے روشن
کس قدر مجھ پہ عنایت مرے مولا نے "کی"

آگ کا رزق ہے وہ سوختہ قسمت بھی نصیرؔ!
شمع تصویر ہے جلتے ہوئے پروانے کی

◎

مرگِ اہلِ وفا کی بات نہ چھیڑ
اُس گلی کی ہَوا کی بات نہ چھیڑ

خُونِ جذبات کے حوالے سے
اُن کے رنگِ حنا کی بات نہ چھیڑ

یاد رکھ اُن کی بزم کے آداب
بُھول کر مدّعا کی بات نہ چھیڑ

منّتِ غیر سے تو موت بَھلی
ڈُوب جا، ناخدا کی بات نہ چھیڑ

رہروِ عشق ! راہ لگ اپنی
راہزن، رہنما کی بات نہ چھیڑ

خُود پسندی شعار ہے اُن کا
تُو بُتوں سے خُدا کی بات نہ چھیڑ

منزلِ شوق ہے نصیرؔ کٹھن
راہِ صبر آزما کی بات نہ چھیڑ

◎

نالۂ دل سوز سے یا آہِ دامن گیر سے
راہ پر لے آئے ہم اُن کو کسی تدبیر سے

مسکرا کر دیکھتے ہو کس لئے تم بار بار
چھیڑتے ہو کیوں مرے دل کو نظر کے تیر سے

مَیں یہ سمجھوں دولتِ کونین حاصل ہو گئی
اُن کا دامن ہاتھ آ جائے اگر تقدیر سے

ختم پابندی ہوئی جب قیدِ بے میعاد کی
خود بخود گرنے لگیں کڑیاں مری زنجیر سے

اک ذرا اہلِ بصیرت یہ مُعمّا حل کریں
ہم سے ہے گردش، کہ ہم ہیں گردشِ تقدیر سے

آپ نے چھیڑا تو جاگ اُٹھا ہمارا ذوقِ دل
عشق نے انگڑائیاں لیں حُسن کی تاثیر سے

مَیں ہُوں دیوانہ، مگر آزاد اِن جھگڑوں سے ہُوں

کون اُلجھے بیڑیوں سے ، طوق سے، زنجیر سے

اے نصیرؔ اب اِس سے بڑھ کر اور کیا درکار ہو

میرے دل کو ہے تعلّق حُسنِ عالمگیر سے

◎

محبّت تخمِ غم کے بو رہی ہے
دگرگوں دل کی حالت ہو رہی ہے

تباہی دل کی ا مجھ سے پوچھتے ہو ؟
ابھی تک خاک سی اُڑ تو رہی ہے

کسے معلوم پھُولوں کا مقدّر
سَحَر خنداں ہے ، شبنم رو رہی ہے

نہ چھیڑ اے زخمۂ غم ! سازِ دل کو
تمنّاؤں کی دُنیا سو رہی ہے

وہ جب ہاریں گے ، جب ہاریں گے بازی
ابھی تو مات مجھ کو ہو رہی ہے

تصوّر میں کسی کے عمر گزری
کسی کی آرزو دل کو رہی ہے

محبّت میں نصیؔر اُلجھن پہ اُلجھن
کبھی اُن کو ، کبھی ہم کو "رہی ہے"

◎

محفل سے اُن کی سینکڑوں پی کر نکل گئے
مجھ سے ملی جو آنکھ تو تیور بدل گئے

وہ ایسی قاتلانہ اداؤں میں ڈھل گئے
زخمی کیا جو دل تو کلیجہ مسل گئے

کچھ اِس طرح وہ ہم سے بھی تیور بدل گئے
ارمان و آرزو کے جنازے نکل گئے

قسمت پھری، تو پھر گئے احباب اِس طرح
دیکھا مجھے، تو دُور سے رستہ بدل گئے

کیا شمعِ انجمن پہ جلانے کا اتّہام
جلنا ہی تھا نصیب میں، پروانے جل گئے

دل ہم سے لے کے اُن کی نگاہیں بدل گئیں

دھوکا دیا، فریب کیا، چال چل گئے

تھکنے لگے جو پاؤں تو یُوں راہ طے ہوئی
اُس انجمن میں اہلِ وفا سر کے بل گئے

اُس آستانِ ناز کا جب تذکرہ ہُوا
میری جبینِ شوق میں سجدے مچل گئے

اُن کا جمال دیکھ کے، دیکھا جو اے نصیرؔ!
قلب و نگاہ حُسن کے سانچے میں ڈھل گئے

◎

تُو ہی سچّا نظر نہیں آتا
ورنہ کیا کیا نظر نہیں آتا

جو ہے جیسا ، نظر نہیں آتا
اصل چہرا نظر نہیں آتا

طُور بھی ہے وہی ، تجلّی بھی
کوئی موسیٰ نظر نہیں آتا

قطرہ جس وقت محوِ دریا ہو
اُس کو دریا نظر نہیں آتا

کوئی کیا آئے گا نظر تجھ سا
کوئی مجھ سا نظر نہیں آتا

غالبًا وہ ابھی نہیں گُزرے
حشر برپا نظر نہیں آتا

مہرباں مجھ پہ آپ بھی ہوں گے
مجھ کو ایسا نظر نہیں آتا

رہنماؤں کے شہرِ جس میں ہُوں
کوئی رَستا نظر نہیں آتا

پسِ پردا کی بات کرتے ہیں
سرِ پردا نظر نہیں آتا

خود بُرا ہو جو فطرتًا تو اُسے
کوئی اچّھا نظر نہیں آتا

آپ اک انجمن ہو جس کا وجود
وہ اکیلا نظر نہیں آتا

کس کو بھیجوں نصیؔر اُن کی طرف
کوئی جاتا نظر نہیں آتا

◎

اب جُنوں میں مری ایسی کوئی تصویر بھی ہو

ہتھکڑی ہاتھ میں ہو ، پاؤں میں زنجیر بھی ہو

مَیں نے دیکھا ہے اُنہیں اپنی طرف بڑھتے ہوئے

کاش ، جو خواب ہے ، اُس کی وہی تعبیر بھی ہو

صرف تقدیر پہ انسان بھروسہ نہ کرے

حُسنِ نیّت بھی ہو ، کوشش بھی ہو ، تدبیر بھی ہو

جو کہا تم نے وہ تقدیر کا لکّھا نکلا

مَیں تو کہتا ہوں کہ تم واقفِ تقدیر بھی ہو

مجھ سے وہ کہتے ہیں اب تجھ کو نہ بیٹھے دیکھوں

دُور ہو دَر سے مرے ، بھاگ بھی جا ، تیر بھی ہو

یہ جو صورت ہو ، تو کچھ فرق کی باتیں نکلیں

سامنے آپ بھی ہوں ، آپ کی تصویر بھی ہو

جب کہیں جا کے کوئی تاج محل بنتا ہے
شوقِ تعمیر بھی ہو ، قدرتِ تعمیر بھی ہو

آنے جانے کی ہمیں ضد ہے نہ انکار ، مگر
اُن کی محفل میں کسی کی کوئی توقیر بھی ہو

آپ کیا صرف کماں کھینچ کے اِتراتے ہیں
لُطف تو جب ہے کہ چلّے میں کوئی تیر بھی ہو

ایسی صورت میں نہیں ترکِ تعلّق ممکن
تم مری اُروح بھی ہو ، تم مری تقدیر بھی ہو

ہم سزاوارِ جفا عشق میں ہر دم ہیں نصیرؔ !
یہ ضروری تو نہیں ہے ، کوئی تقصیر بھی ہو

◎

فلک نشان بنے ، عرش گیر کہلائے
وہ ایک آہ ، جو دل کی سفیر کہلائے

وہ خوش نصیب ، جو اُن کے فقیر کہلائے
جہاں میں صاحبِ تاج و سریر کہلائے

وہ سربلند ہُوئے ، جو جُھکے ترے در پر
اُنہیں وقار مِلا ، جو حقیر کہلائے

سمٹ گئے جو تری زلف کی سیاہی میں
وہ تیرہ بخت ہی روشن ضمیر کہلائے

وہ اِک نظر ، جو دلوں کا سُکون بن نہ سکی
کمال ہے کہ وہی بے نظیر کہلائے

دبی زباں سے بھی شکوہ کریں تو ہم گستاخ
وہ لاکھ ظلم کرے ، اک شریر کہلائے

وہی رہے ہیں رُسوم و قیُود سے آزاد
جو تیری زُلفِ رسا کے اسیر کہلائے
وہ اک نگاہ، حیا سے اگر جُھکے تو کماں
جفا کے زعم میں اُٹّھے تو تیر کہلائے
خدا کا شکر، زمانے کی قدردانی ہے
جوان بھی نہ ہُوئے تھے کہ پیر کہلائے
ہم اُن کے نُور کی ادنیٰ سی اک تجلّی ہیں
جو علم و فقر کے مہرِ منیر کہلائے
وہ مُردہ دل ہیں، جنہیں عشق میں ہے جان عزیز
جو اپنی جان پہ کھیلے، نصیرؔ کہلائے

◎

یہ مقدّر کا لکھا ہے، اب یہ کٹ سکتا نہیں
راہ سے اُن کی، ہمارا پاؤں ہَٹ سکتا نہیں

دیکھ کر رنگِ چمن آنسو بہانے چاہئیں
کیا ہمارا خُونِ دل پھولوں میں بٹ سکتا نہیں

کیسی کیسی محفلیں تھیں، کیسے کیسے لوگ تھے
وہ سُنہرا دَورِ ماضی کیا پَلٹ سکتا نہیں ؟

دم قدم کے ساتھ رہتی ہے زمانے کی ہَوا
اُن کے قدموں سے کوئی ذرّہ لپٹ سکتا نہیں

وہ جفا جُو، مَیں وفا پیشہ، محبّت مراد
اُن کے میرے درمیاں سودا یہ پٹ سکتا نہیں

آئنے میں بے حجابانہ سما جاتا ہے تُو
بے تکلّف میری بانہوں میں سِمَٹ سکتا نہیں ؟

دوست ہو گا ، رَٹ لگی ہے جس کو تیرے نام کی
کوئی دُشمن یُوں کسی کا نام رَٹ سکتا نہیں

چارہ گر کچھ ہوش کر ، کیوں چارہ سازی کی ہے دُھن
بڑھ تو سکتا ہے یہ دل کا دَرد ، گھٹ سکتا نہیں

دل کے ذرّے منتشر ہو کر ملے ہیں خاک میں
جو بِکھر جائے ، وہ شیرازہ سِمَٹ سکتا نہیں

حاسدانِ تیرہ باطن سے کوئی کہہ دے نصیر
علم کا رُتبہ بڑھا کرتا ہے ، گھٹ سکتا نہیں

◎

اِسے اب راہ پر لانا پڑے گا
دلِ ناداں کو سمجھانا پڑے گا

ہمارے گھر اُنہیں آنا پڑے گا
یہ وعدہ اُن کو فرمانا پڑے گا

قریبِ کعبہ بُت خانہ پڑے گا
ہمیں رَستے میں رُک جانا پڑے گا

وفا کے معرکے یُوں سر نہ ہوں گے
پہاڑوں سے بھی ٹکرانا پڑے گا

اُٹھا لے نقدِ ایماں دے کے زاہد !
بہت ارزاں یہ پیمانہ پڑے گا

وہ آئیں یا نہ آئیں شامِ وعدہ
دلِ مُضطر کو بہلانا پڑے گا

مرا مَنشا ابھی سمجھے نہیں وہ
ابھی کچھ دیر سمجھانا پڑے گا

وفا میں تلخیاں ہیں حضرتِ دل !
مگر یہ زہر تو کھانا پڑے گا

مَرے تھے اُن پہ جینے کے لئے ہم
خبر کیا تھی کہ مر جانا پڑے گا

نصیرؔ اُس نے بُلا بھیجا ہے تم کو
وہاں تک اب تمہیں جانا پڑے گا

◎

چھُوٹ کر ہاتھ سے گرنا مرے پیمانے کا
بادہ نوشوں میں ہے اک حادثہ میخانے کا

مِل گیا سوز مرے قلب کو پروانے کا
لطف اب آئے گا اُس شمع پہ جل جانے کا

لوگ آغاز کریں تو ، ترے افسانے کا
کون کہتا ہے مجھے ہوش نہیں آنے کا

آپ کا نام لیا اور جھکا لی گردن
مشغلہ اب ہے یہی آپ کے دیوانے کا

کیا لگائے کوئی قیمت مرے ٹوٹے دل کی
کوئی پُرساں نہیں چٹخے ہوئے پیمانے کا

بے پیئے عالمِ مستی میں رہا کرتا ہُوں
میری مستی بھی عجب راز ہے میخانے کا

دستِ نظر
56

بُجھ گئی ، نُور سے بے نُور ہوئی محفل میں

صبح دم شمع نے ماتم کیا پروانے کا

آج ساقی نے پلا دی ہے کچھ ایسی مجھ کو

ہر طرف عکس نظر آتا ہے میخانے کا

اُس نے دیکھا مجھے ، پھر دیکھ کے تیور بدلے

یہ نیا ڈھنگ نکالا مرے تڑپانے کا

یادرکھ اے دلِ پُرشوق ! یہ اک بات مری

دامن اُن کا جو چُھٹا ، پھر نہیں ہاتھ آنے کا

کوئی مونس نہیں ، ساتھی نہیں ، غمخوار نہیں

سخت دشمن ہے زمانہ ترے دیوانے کا

ہم بھی دیکھیں گے نصیرؔ آپ کی توبہ ہے کہاں

چل گیا وار جو چلتے ہوئے پیمانے کا

◎

چین سے جینے کی کچھ تدبیر کرنی ہی پڑی
اُن سے وابستہ مجھے تقدیر کرنی ہی پڑی

تیری رحمت کی مجھے تشہیر کرنی ہی پڑی
بندگی میں زحمتِ تقصیر کرنی ہی پڑی

دے کے دل اب اور کیا باقی تھا تحفے کے لئے
اُن پہ قرباں جان کی جاگیر کرنی ہی پڑی

بادہ نوشی میں بھی لازم تھا حَرم کا احترام
مَے کدے میں شیخ کی توقیر کرنی ہی پڑی

عشق کیا ہے؟ عاشقی کیا ہے؟ وفا کیا چیز ہے؟
ہم کو ہر اجمال کی تفسیر کرنی ہی پڑی

جان دینے کے لئے بیتاب تھا بیمارِ غم
آپ کی خاطر مگر تاخیر کرنی ہی پڑی

تجھ کو دعویٰ تھا کوئی مدِّمقابل ہی نہیں
سامنے تیرے، تری تصویر کرنی ہی پڑی

میرے اشکوں کی روانی تھی بڑی ہنگامہ خیز
نوحؑ کے طوفان سے تعبیر کرنی ہی پڑی

سرگزشتِ غم میں خونِ دل کی رنگت دیکھ لی ؟
تم نہ سُنتے تھے، مجھے تحریر کرنی ہی پڑی

بڑھ گیا جب دردِ دل حرفِ تسلّی سے نصیرؔ
چارہ گر کو دوسری تدبیر کرنی ہی پڑی

◎

جُنوں ہے ، رنج سامانی بہت ہے
محبّت میں پریشانی بہت ہے

ستم کی مجھ پہ ارزانی بہت ہے
مری قدر اُس نے پہچانی بہت ہے

مری عرضِ طلب پر ہیں وہ چُپ چُپ
یقیں کم ، اور حیرانی بہت ہے

کبھی وہ خیر سے آئیں مرے گھر
گھڑی بھر کی بھی مہمانی بہت ہے

جو تم بچھڑے ، اُمڈ آئیں گی آنکھیں
طبیعت میری طُوفانی بہت ہے

نہ جانے بات کیا ہے اُن میں ایسی
خدائی اُن کی دیوانی بہت ہے

خُدا، واعظ پہ ڈالے کوئی مشکل

اِسے ذوقِ تن آسانی بہت ہے

مجھے دیکھا، تو برجستہ وہ بولے

یہ صورت جانی پہچانی بہت ہے

کہا اُس نے مرے اشعار سُن کر

ترے شعروں میں جولانی بہت ہے

بہت دُشوار ہے اُن تک پہنچنا

نصیر اُن کی نگہبانی بہت ہے

◎

زندگی مطمئن ہے ہماری، خلفشاروں سے اللہ بچائے
جن دیاروں میں عنقا سکوں ہو، اُن دیاروں سے اللہ بچائے

دوست کم اور دشمن زیادہ، گلعذاروں سے اللہ بچائے
ویسے پُرکار، ظاہر میں سادہ، ایسے پیاروں سے اللہ بچائے

مَیں چلا تو ہُوں اُس انجمن میں، فتنہ کاروں سے اللہ بچائے
روکتے ٹوکتے ہیں یہ سب کو، پہرہ داروں سے اللہ بچائے

کیا کہا جاسکے اُس نظر کو، اور پھر اُس نظر کے اثر کو
نفع سمجھیں جو دل کے ضرر کو، اُن اشاروں سے اللہ بچائے

ہم فقیروں کو اُن کی طلب کیا، ملنے جُلنے کا آخر سبب کیا
لُطف کیا، اُن کا غیظ و غضب کیا، شہریاروں سے اللہ بچائے

ہر صدا میں نہاں تیر و نشتر ، ہر ادا ایک پوشیدہ خنجر
وار چھپ چھپ کے کرتے ہیں اکثر، پردہ داروں سے اللہ بچائے

وقت پر کام آتے نہیں ہیں، اپنے وعدے نبھاتے نہیں ہیں
خود نُما، خودنگر، خود غَرض ہیں، مجھ کو یاروں سے اللہ بچائے

ایک دھوکا ہے ان کا سہارا ، دُور سے کیجئے بس نظارا
ظلمتِ ہجر میں یہ بلا ہیں ، چاند تاروں سے اللہ بچائے

فتنہ جُو ، فتنہ گر، فتنہ ساماں ، دشمنِ جان و بَدخواہِ ایماں
روندتے جارہے ہیں یہ میداں، شہسواروں سے اللہ بچائے

مُطمئن ہے نصیرؔ اپنی ہستی ، ہر قدم پر سفر کی ہے مستی
دشت کیا راستہ اُس کا روکے، جس کو خاروں سے اللہ بچائے

◎

دلِ حزیں کو تری یاد سے بچا نہ سکے
ہزار بار بُھلایا ، مگر بُھلا نہ سکے

بُجھے بُجھے سے رہے دل رمیں ، جگمگا نہ سکے
ہمارے داغِ تمنّا ، فروغ پا نہ سکے

زبانِ اشک سے حالِ دل اُن کو کہنا تھا
ہم اُن کے سامنے آنسو مگر بہا نہ سکے

نکل سکی نہ ملاقات کی کوئی صورت
ہمیں بلا نہ سکے اور خود وہ آ نہ سکے

تمام عمر پُھنکے ہیں ہمارے قلب و جگر
تمھیں نے آگ لگائی ، تمھیں بُجھا نہ سکے

چُھری کو ہاتھ میں لے کر ہزار بار اُٹھے
نصیرؔ ! دل کے وہ ٹکڑے مگر اُڑا نہ سکے

◎

ہمارا اور کوئی غم گسار بھی تو نہیں
تری قسم کا مگر اعتبار بھی تو نہیں

جفا، پسند نہیں، ناگوار بھی تو نہیں
ستم تو یہ ہے کہ تُو شرمسار بھی تو نہیں

تری نگاہ کو آخر کہاں تلاش کروں
رُکی نہ دل میں، مگر آرپار بھی تو نہیں

کسی غریب پہ آنسو بہائے کون یہاں
یہ بے کسی ہے کہ شمعِ مزار بھی تو نہیں

ہزار بار پکارا اُسے محبّت میں
جواب اُس نے دیا ایک بار بھی تو نہیں

وہ آئے ہیں، نہ تبسّم بلب، نہ زلف بدوش
خزاں اگر یہ نہیں ہے، بہار بھی تو نہیں

نہیں ہے ہجر میں تسکین کی کوئی صورت
قرار ڈھونڈ رہا ہُوں، قرار بھی تو نہیں

تلاش پھر ہے مری، آج کیوں زمانے کو
نشانِ قبر کہاں، اب غبار بھی تو نہیں

جدا ہُوا، تو دل و جاں میں حشر برپا ہے
وہ ایک شخص، جسے مجھ سے پیار بھی تو نہیں

کہاں پہ جا کے کریں کُنجِ عافیت کی تلاش
نصیرؔ! جائے سکوں کُوئے یار بھی تو نہیں

◎

کیا اوج پائیں اور ترے آستاں سے ہم
آگے نکل گئے ہیں کہیں ، آسماں سے ہم

جو درخورِ نگاہِ عنایت بنا سکے
حرفِ طلب میں حُسن وہ لائیں کہاں سے ہم

کیا غم اگر وہ جانِ وفا سرد مہر ہے
سوزِ دُروں میں کم نہیں برقِ تپاں سے ہم

مِل جائے ایک جام شرابِ جمال کا
کچھ اور چاہتے نہیں پیرِ مغاں سے ہم

دُھونی رمائے ایک زمانہ گزر گیا
جائیں کہاں اب اُٹھ کے ترے آستاں سے ہم

وہ آفتابِ حُسن ہو یوں دل پہ جلوہ ریز
اُٹھ جائیں مثلِ پردۂ شب، درمیاں سے ہم

بخشے نصیر دل کو وہ قاتل ہزار زخم
ڈرتے نہیں جراحتِ تیغ و سناں سے ہم

◎

پھر وہ جانے کے بعد یاد آیا ہوش آنے کے بعد یاد آیا

دل لگی، دردِ دل سے کم تو نہیں دل لگانے کے بعد یاد آیا

اک قیامت تھا اُن کا بھولا پن آزمانے کے بعد یاد آیا

قُرب نے غم بُھلا دیا تھا مجھے اُن کے جانے کے بعد یاد آیا

جیت جانے میں کبر کا ڈر تھا مات کھانے کے بعد یاد آیا

نہ سُنانا تھا حالِ دل اُن کو کچھ سُنانے کے بعد یاد آیا

شیخ صاحب کا احترام ہمیں مَے پلانے کے بعد یاد آیا

شکر صد شکر، پھر نصیرؔ اُنہیں
بُھول جانے کے بعد یاد آیا

◎

جسے پہلو میں رہ کر درد حاصل ہو نہیں سکتا

اُسے دل کون کہہ سکتا ہے، وہ دل ہو نہیں سکتا

وہ بندہ، جس کو عرفاں اپنا حاصل ہو نہیں سکتا

کبھی خاصانِ حق کی صف میں شامل ہو نہیں سکتا

زمین و آسماں کا فرق ہے دونوں کی فطرت میں

کوئی ذرّہ چمک کر ماہِ کامل ہو نہیں سکتا

محبّت میں تو بس دیوانگی ہی کام آتی ہے

یہاں جو عقل دوڑائے، وہ عاقل ہو نہیں سکتا

پہنچتے ہیں پہنچنے والے اُس کوچے میں مر مر کر

کوئی جنّت میں قبل از مرگ داخل ہو نہیں سکتا

نہیں جب اذنِ سجدہ ہی تو یہ تسلیم کیوں کر ہو

مرا سر تیرے سنگِ در کے قابل ہو نہیں سکتا

مرا دل اور تم کو بُھول جائے، غیر ممکن ہے
تمہاری یاد سے دم بھر بھی غافل ہو نہیں سکتا

مرا ایمان ہے اُن پر ، مجھے اُن سے محبّت ہے
مرا جذبہ ، مرا ایمان ، باطل ہو نہیں سکتا

نزاکت کے سبب خنجر اُٹھانا بار ہو جس کو
وہ قاتل بن نہیں سکتا ، وہ قاتل ہو نہیں سکتا

اُڑائے دُھول کوئی چاند پر، کب دُھول پڑتی ہے
کسی کے کہنے سے ذی علم ، جاہل ہو نہیں سکتا

مرے داغِ تمنّا کا ذرا سا عکس ہے شاید
کسی کے عارضِ دلکش پہ یہ تِل ہو نہیں سکتا

نہ ہو وارفتہ جو اُس جانِ خوبی پر دل و جاں سے
وہ عاشق بن نہیں سکتا ، وہ بسمل ہو نہیں سکتا

ہمیں منظور مر جانا ، اگر اُن کا اشارا ہو
یہ کام آسان ہو سکتا ہے ، مشکل ہو نہیں سکتا

جو رونق آج ہے، وہ آج ہے ، کل ہو نہیں سکتی
ہمارے بعد پھر یہ رنگِ محفل ہو نہیں سکتا

مراحل کچھ بھی ہوں ہر دم سفر سے کام ہے اِس کو
مسافر بے نیازِ راہ و منزل ہو نہیں سکتا
نصیرؔ! اب کھیلنا ہے بحرِ غم کے تیز دھارے سے
سفینہ زیست کا ممنونِ ساحل ہو نہیں سکتا

◎

شَبیہِ گُل ہوئی اِس خارزار کی صورت
وہ آئے گھر میں ہمارے بہار کی صورت

سَماں ہے قہر کا ، یا ہے یہ پیار کی صورت
کھٹک رہی ہے تری یاد ، خار کی صورت

جُنوں ، ملال ، ستم ، انتظار کی صورت
نظر میں اب ہے اِنہیں تین چار کی صورت

خزاں کا رُوپ نظر آئے گا چمن میں تُمہیں
قریب سے کبھی دیکھو بہار کی صورت

دل اپنا گیسُوئے جاناں میں اِس طرح اُلجھا
نکل سکی نہ کوئی بھی فرار کی صورت

یہ کون سوختہ ساماں ہے خاک کا پیوند ؟
بُجھی بُجھی سی ہے شمعِ مزار کی صورت

بنے ہوئے ہیں سپید و سیاہ کے مالک
وہ رُخ بدلتے ہیں لیل و نہار کی صورت

جو ہنس رہے ہیں مرے دل کی بیقراری پر
نصیب اُنہیں بھی نہیں ہے قرار کی صورت

دُھواں دُھواں ہے نظر ، یا اُڑا اُڑا خاکہ
بدل کے رہ گئی تصویرِ یار کی صورت

اُٹھاؤ پردہ ، نگاہوں کے سامنے آؤ
گراں نصیرؔ کو ہے انتظار کی صورت

◎

نہ دوستی سے تعلّق ، نہ دشمنی سے غرض
تمھارے بندۂ الفت کو کیا کسی سے غرض

ترے خیال میں کھوئے ہوئے ہیں جو خود کو
نہ موت کی اُنھیں پروا ، نہ زندگی سے غرض

ہے ایک نورِ مجسّم ہمارے پیشِ نظر
رہی نہ آبی و خاکی ، نہ آتشی سے غرض

جہانِ عشق کے سیّارے اور ہی کچھ ہیں
نہ ماہ و مہر ، نہ مِرّیخ و مشتری سے غرض

نصیؔر ! وصف ہے مقصود اُس حسیں کا مجھے
نہ شعر گوئی کا دعوٰی ، نہ شاعری سے غرض

◎

جن کو بسنا تھا ترے شہر میں ، بَستے ہی رہے
دوست تو خوش ہوئے، بدخواہ کَلَستے ہی رہے

لوگ اُس کوچے کی مٹّی کو ترستے ہی رہے
اور اک ہم تھے، کہ مَرکھپ کے بھی بَستے ہی رہے

ایک وہ ہیں کہ ہُوئے جن کو سہارے حاصل
ایک ہم ہیں کہ سہارے کو ترستے ہی رہے

زُلف ہو ، موجِ تبسّم ہو کہ ہو چینِ جبیں
مجھ کو ہر وقت شکنجوں میں وہ کستے ہی رہے

ہم کو اپنوں سے اذیّت کے سوا کچھ نہ مِلا
آستیں میں جو پلے سانپ، وہ ڈستے ہی رہے

قدر و قیمت کا ہماری کسے اندازہ ہُوا
ہم ہیں وہ جِنس، جو بازار میں سَستے ہی رہے

آپ وہ برق تھے ، چمکے تو کڑاکا نکلا
ہم تھے وہ اَبر ، کہ چُپ چاپ برستے ہی رہے

جن کی تقدیر ، نہ منزل تھی ، نہ منزل کا نشاں
ہر قدم پر ہمیں درپیش وہ رَستے ہی رہے

اُن کی محفل میں رہا ہم پہ عجب کیفِ نیاز
وہ گرجتے ہی رہے ، اَشک برستے ہی رہے

آتشِ دل سے فراغت نہ مِلی ہم کو نصیرؔ
غم کے شعلوں میں شب و روز جُھلستے ہی رہے

◎

سُتم کہیئے ، کرم کہیئے ، وفا کہیئے ، جفا کہیئے
عجب اُن کی ادائیں ہیں، جو کہیئے بھی تو کیا کہیئے
ہوائے کُوئے جاناں کو نسیمِ جانفزا کہیئے
جمالِ رُوئے جاناں کو بہارِ دلکشا کہیئے
جو ہے خورشید سا مکھڑا، تو ہیں والّیل سی زلفیں
اُسے شمس الضّحٰی کہیئے ، اِسے لیلِ سجٰی کہیئے
کلام اپنا مؤثّر ہے ، بیاں اپنا موقّر ہے
خدا کی دین ہے یہ بھی، اِسے فضلِ خدا کہیئے
زہے قسمت کہ آ بیٹھے وہ ہم سے بات کرنے کو
نہ کہیئے حالِ دردِ دل جو ایسے میں، تو کیا کہیئے
تمہارے منہ سے جو نکلے، ہمیں تسلیم ہے سب کچھ
جزاک اللّہ ، عفاک اللّہ ، بُرا کہیئے ، بھلا کہیئے
حریمِ ناز تک اپنی رسائی ہو نہیں سکتی
اِسے کوتاہیِ تقدیر کی اک انتہا کہیئے

پڑے جو کوہ پر، تو وہ بھی ہو اپنی جگہ رقصاں
تمہاری چشمِ میگوں کو بلا کی فتنہ زا کہیئے

پئے مشقِ خرامِ ناز اِدھر بھی وہ جو آنکلیں
نظر سے چومیئے جلوے، زباں سے مرحبا کہیئے

علاجِ جانِ مضطر ہے، دوائے دردِ الفت ہے
تری خاکِ کفِ پاکو، اب اِس صورت میں کیا کہیئے

سُنیں گے حضرتِ دل! آپ کی باتیں وہ محفل میں
ذرا چلیئے، ذرا مِلیئے، ذرا کُھلیئے، ذرا کہیئے

کسی سے بات کوئی کہنے سُننے کا مزا جب ہے
جو سُنیئے برملا سُنیئے، جو کہیئے برملا کہیئے

نہ اب وہ بات کرتے ہیں، نہ اب وہ بات سُنتے ہیں
جو سُنیئے بھی تو کیا سُنیئے، جو کہیئے بھی تو کیا کہیئے

نصیر! اللہ کے در سے جو مانگا مَیں نے، پایا ہے
مجھے مسکیں گدا کہیئے، اُسے حاجت روا کہیئے

مضامیں ذہن میں آتے چلے جاتے ہیں برجستہ
نصیر! اشعار لاتعداد کہیئے، برملا کہیئے

◎

تنہا نہ پی شراب ، ہمیں بھی پلا کے پی
اے پینے والے ! ہم سے نگاہیں لڑا کے پی

رحمت کا آسرا ہے تو ہر غم پہ چھا کے پی
بے خوف ہو کے جام اُٹھا ، مسکرا کے پی

میخانہ تیرا ، جام ترا ، رِند بھی ترے
ساقی ! مزا تو جب ہے ، کہ سب کو پلا کے پی

ساغر اُٹھا تو ہر غمِ دُنیا کو بھول جا
پینے کا وقت آئے تو کچھ گنگنا کے پی

شاید نہ کوئی اور جھکے تیرے سامنے
زاہد ! ذرا صُراحی کی گردن جُھکا کے پی

ساغر ہے صرف رندِ تُنک ظرف کے لئے
اے مَے پرست ! خُم کبھی مُنہ سے لگا کے پی

پینے کا وقت آئے ، تو یہ احتیاط ہو
مخلوق کو نہ اپنا تماشا دِکھا کے پی
اے بادہ کش ! وہ آج نظر سے پلائیں گے
ساغر کو پھینک ، آنکھوں سے آنکھیں مِلا کے پی
آدابِ مَے کشی کے تقاضے سمجھ ، نصیؔر !
ساغر اُٹھا کے اور نگاہیں جما کے پی

◎

سُہانی ہیں راتیں، تو دن پیارے پیارے
جیئے جا رہا ہُوں کسی کے سہارے

وہ آئے تو دم بھر کو رُک کر سِدھارے
رہے دل کے ارمان دل میں ہی سارے

سُنا ہے، وہ مہمان ہوں گے ہمارے
بس اب کیا ہے اپنے بھی وارے نیارے

وفا و جفا میں برابر ہے بازی
نہ وہ ہم سے جیتے، نہ ہم اُن سے ہارے

دمکتی رہی اُن کے ماتھے پہ افشاں
اُنہیں دیکھتے ہی رہے چاند تارے

ہمیں جانتے ہیں، کہ گزرے ہیں کیونکر
وہ دن تم سے جو دُور رہ کر گزارے

اِدھر تذکرے ہیں، اُدھر تذکرے ہیں
ہمارے تمہارے، تمہارے ہمارے

نہ چھیڑیں مجھے بڑھ کے دریا کی موجیں
چلا جا رہا ہُوں کنارے کنارے

وہ پُر نُور، مَیں ذرّہَ بے حقیقت
زمیں پر اُترتے نہیں چاند تارے

نہیں حشر سے کم نصیرؔ اُن کی آمد
پھر اُس پر غضب ہیں نظر کے اشارے

◎

اک قیامت بن گئی ہے آشنائی آپ کی
خون کے آنسو رُلاتی ہے جُدائی آپ کی

درحقیقت آپ ہیں وہ پیکرِ حُسن و جمال
جان سے، دل سے، ہوئی شیدا خدائی آپ کی

دیکھتے ہی دیکھتے اُڑنے لگے حضرت کے ہوش
ہم نے جب تصویر ناصح کو دکھائی آپ کی

سیر کرنے اُن کی محفل میں گئے تھے ایک دن
کچھ خبر اے حضرتِ دل ! پھر نہ آئی آپ کی

اور اِس بے چارگی کا ہو بھی سکتا کیا علاج
رو دیئے ہم دیکھ کر بے اعتنائی آپ کی

ضعف میں چلنا تو کیا اُٹھنا بھی تھا اپنا محال
وہ تو بس ہم کو محبّت کھینچ لائی آپ کی

فیض پاتا ہے نصیرؔ اُس سنگِ در سے اک جہاں
کیوں رہے ناکام آخر جبہہ سائی آپ کی

◎

حال سے واقف ہونے لگا ہے اپنا بھی، بیگانہ بھی
اب تو زباں پر آکے رہے گا تیرا مرا افسانہ بھی

کہہ تو رہے ہو جوش میں آکر ضدّی بھی، دیوانہ بھی
مَیں ہُوں وہی جو تم پہ فدا تھا، تم نے مجھے پہچانا بھی؟

شاید کوئی ایسا ویسا سِحر کیا ہے ساقی نے
چکّر میں ہیں ساغر و مینا، گردش میں میخانہ بھی

آنے کا وعدہ تو کیا تھا شاید تم کو یاد نہیں
قَول کی سچّائی تو یہی ہے کہنا بھی اور آنا بھی

بزم کی باتیں کس کو سُنائیں کون سُنے گا، کیا کہیے
لرزاں لرزاں شمع کی لَو ہے، شُعلہ بہ جاں پروانہ بھی

خیر ہو یا رب! بادہ کشی سے کس نے توبہ کر لی ہے
خُم حیرت میں، مِینا چُپ ہے، گم صُم ہے پیمانہ بھی

تیری آمد فصلِ بہاراں ، تیرا جانا دَورِ خزاں
دل کی ہستی کیا ہستی ہے، گلشن بھی، ویرانہ بھی
قہر وغضب کی موج وہ اُٹھی، ساقی! تیری آنکھوں میں
دل ڈُوبا تو ہاتھ سے اپنے چُھوٹ گیا پیمانہ بھی
میری توبہ رنگ یہ لائی، سارا زمانہ حیراں ہے
شیشہ ٹُوٹا ، ساغر اُلٹا ، بند ہُوا میخانہ بھی
وہ ہیں نصیرؔ اِس شان سے بیٹھے ناز و ادا کی مَسنَد پر
اُن کی صورت دیکھ رہا ہے اپنا بھی ، بیگانہ بھی

◎

زمانے بھر کو تو صُورت دکھائی جاتی ہے
ہمارے نام پہ چلمن گرائی جاتی ہے

طبیعت اُن کی اَداؤں پہ آئی جاتی ہے
اِسی لئے تو قیامت اُٹھائی جاتی ہے

یہ مے کشی سہی، توبہ کو اِس سے عار نہیں
حلال ہے، جو نظر سے پلائی جاتی ہے

طُلوعِ مہر کی تمہید ہے شَفَق کی نمود
کرن کرن مرے دل میں سمائی جاتی ہے

یہ کون زُلف بکھیرے خیال میں آیا
کہ میرے ذہن پہ بدلی سی چھائی جاتی ہے

وفا کی راہ میں تھک کر نہ بیٹھ جا ظالم !
اب آئی جاتی ہے منزل، اب آئی جاتی ہے

پیامِ یار تو ہوتا ہے اور کچھ ، لیکن
ہمیں کچھ اور کہانی سُنائی جاتی ہے

ابھی اسیروں میں تھا تذکرہ رہائی کا
تبھی تو قید کی مدّت بڑھائی جاتی ہے

یہ اُن کا در ہے، یہاں بندگی میں ہے اخلاص
بڑے خلوص سے گردن جُھکائی جاتی ہے

نصیرؔ ! اُن کی گلی سے یہ کون مَر کے اُٹھا
یہ کس غریب کی میّت اُٹھائی جاتی ہے

◎

شبِ فرقت کا اختتام نہیں صبحِ روشن ہمارے نام نہیں
کس طرف رحمتِ تمام نہیں کوئی تخصیصِ خاص و عام نہیں
چشمِ ساقی کی ایک گردش ہے رقص میں میکدے کی شام نہیں
اُن کی جانب سے میرے نام اب تک کوئی نامہ نہیں، پیام نہیں
میری تقدیر خام کار سہی جذبۂ آرزو تو خام نہیں
تشنگی میں مری کلام بجا فیضِ ساقی میں کچھ کلام نہیں
آستاں تک ترے رسائی ہو اِتنا اونچا مرا مقام نہیں
ہے یہ رندوں کا قولِ مُفتیٰ بہ دستِ ساقی سے مے حرام نہیں
جُز نصیرؔ اک چراغِ دہلیؒ کے
مَیں کسی شخص کا غلام نہیں

◎

ہم کش مکش یہ شام وسَحَر دیکھتے رہے
اُن کی نگاہ ، اپنا جگر دیکھتے رہے
اہلِ نظر کی بزم میں ہم بیٹھ کر خموش
دل میں تجلّیوں کا گزر دیکھتے رہے
کُھل کر رہے گی راہ سلام و پیام کی
ہم مُستقل کسی کو اگر دیکھتے رہے
گزری تمام رات ترے انتظار میں
نیرنگیِ قضا و قدَر دیکھتے رہے
یہ دل کا وسوسہ تھا کہ آہٹ کسی کی تھی
ہم بار بار جانبِ دَر دیکھتے رہے
وہ آفتابِ حُسن رہا مرکزِ نگاہ
تھا دیکھنا محال ، مگر دیکھتے رہے

لے کر ہمیں نہ ساتھ چلے اہلِ کارواں

ہم تھے کہ گردِ راہگزر دیکھتے رہے

مثلِ صبا نصیرؔ گزر بھی گیا کوئی

اک آپ ہیں، نہ جانے کدھر دیکھتے رہے

◎

ظُلم ہم پر ہر آن ہوتے ہیں رات دن امتحان ہوتے ہیں

آپ سے کیا کوئی توقّع ہو آپ کب مہربان ہوتے ہیں

حُسن کی سادگی کا کیا کہنا عشق پر سَو گمان ہوتے ہیں

کوئی اِن کو مٹا نہیں سکتا غم کے ایسے نشان ہوتے ہیں

دیکھنے میں ہیں عشق و حُسن جُدا اصل میں ایک جان ہوتے ہیں

ظلم سہتے ہیں، کچھ نہیں کہتے اہلِ دلؔ بے زبان ہوتے ہیں

دیدہ و دل کی آبرو، آنسو غم کے یہ ترجمان ہوتے ہیں

آپ کو بے وفا کہا کس نے آپ کیوں بدگمان ہوتے ہیں

بَرق تنکے وہی جلاتی ہے جو نشیمن کی جان ہوتے ہیں

اِتنا آساں نہیں ہے عشق، نصیرؔ!

اِس میں سَو امتحان ہوتے ہیں

◎

نہ کوئی گُل ہے نہ گلشن میں خار باقی ہے
نہ آشیاں ہے، نہ بانگِ ہزار باقی ہے
وہ ابتدائے محبّت کی صورتیں نہ رہیں
فقط سلام سَرِ رہگزار باقی ہے
ابھی ہے کس لئے مجھ کو تلاشِ امن وسُکوں
ابھی تو گردشِ لیل و نہار باقی ہے
نہ چھیڑ وعدۂ جنّت کا ذکر اے واعظ !
اُمیدِ سایۂ دیوارِ یار باقی ہے
کوئی بھی دل کی علامت نہیں ہے پہلو میں
مقامِ دل کا بس اک اعتبار باقی ہے
جُنوں میں یہ مرے دستِ جُنوں کی فیّاضی
نہ جیب ہے، نہ گریباں کا تار باقی ہے
سوالِ وصل پہ وہ دے چکے ہیں صاف جواب
عبث نصیرؔ تجھے انتظار باقی ہے

◎

اُس طرف شمشیرِ بُرّاں قبضۂ قاتل میں ہے
اِس طرف قربان ہو جانے کی حسرت دل میں ہے

اُن کی حسرت، اُن کا ارماں، اُن کی اُلفت، اُن کا غم
کیا بتائیں، کیا کہیں، کیا کیا ہمارے دل میں ہے

آرزوئے دید بھی ہے، گفتگو کا شوق بھی
صورتِ موسیٰؑ عجب وارفتگی سی دل میں ہے

راز الفت کے دلِ بیدرد پا سکتا نہیں
یہ وہی دل جانتا ہے درد بھی جس دل میں ہے

وہ حریمِ ناز کا پردہ اُٹھائیں تو سہی
اُن کو آنکھوں پر بٹھا لیں یہ تمنّا دل میں ہے

میرے اُس کے درمیاں حائل نہیں دیر و حرم
جس سے مَیں نے دل لگایا ہے، وہ میرے دل میں ہے

اُن کی محفل میں تو ہو ہی جائے گا اک دن گزر
وہ ہمیں دل میں جگہ دیں، یہ ہمارے دل میں ہے

دل کی باتیں پوچھنے کی ضد ہے آخر کس لئے
دل ہی دل میں خود سمجھ لو، جو ہمارے دل میں ہے

اور باقی آرزوئیں مِل گئیں سب خاک میں
اک تمہاری آرزو ہے، جو ابھی تک دل میں ہے

اُن کے جلووں سے مزیَّن دونوں آنکھیں ہیں مری
اُن کا خاکہ، اُن کا نقشہ، اُن کی صورت، دل میں ہے

اُن سے آنکھیں کیا مِلیں، دونوں کی شامت آگئی
ایک پیکاں ہے جگر میں، ایک پیکاں دل میں ہے

اب کہاں گنجائشِ وہمِ دُوئی باقی رہی
جستجو جس کی ہمیں تھی، وہ ہمارے دل میں ہے

آپ سے کچھ کہہ کے ہم کس واسطے معتوب ہوں
آپ سب کچھ جانتے ہیں، جو ہمارے دل میں ہے

اُس کی آنکھوں سے لڑیں اِتنی کہاں آنکھوں میں تاب
اُس کے دل سے دل ملے، جرأت کہاں یہ دل میں ہے

یاس و حرماں، درد و غم، حُزن و الم، رنج و محن
اک مکمّل انجمن گویا ہمارے دل میں ہے

یادِ ساقی نے عطا کر دِیں عجب کیفیّتیں
ایک میخانے کا میخانہ ہمارے دل میں ہے

اے نصیرؔ اِس قافیے کی وسعتیں تو دیکھئے
دونوں عالم کی سمائی ایک لفظِ "دل" میں ہے

غزل بقیدِ یک قافیۂ دل

◎

دیوانۂ منزل جب رستے میں بھٹکتا ہے

کچھ مُنہ سے نہیں کہتا سَر اپنا پٹکتا ہے

جس وقت کوئی غنچہ گلشن میں چٹکتا ہے

گُل چیں کی نگاہوں میں کانٹا سا کھٹکتا ہے

حق گو کا تو شیوہ ہے حق بات پہ کٹ مرنا

سُولی سے نہیں ڈرتا ، سُولی پہ لٹکتا ہے

ہم رِند نہ آئیں گے زاہد تری باتوں میں

کیوں ہم سے اُلجھتا ہے، کیوں ہم سے اٹکتا ہے

برسوں وہ نہیں آتے مہمان مرے بن کر

روزانہ کسی کے گھر کون آ کے پھٹکتا ہے

دُنیائے تمنّا میں کیوں حشر نہ ہو برپا

ہم ہاتھ بڑھاتے ہیں، دامن وہ جھٹکتا ہے

صحرائے محبّت میں اِس دل کا خدا حافظ
تنہا جو مسافر ہو، اکثر وہ بھٹکتا ہے
اُن تیز نگاہوں کی تاثیر نہ کچھ پوچھو
رہ رہ کے مرے دل میں کانٹا سا کھٹکتا ہے
تنظیمِ گلستاں ہے فطرت کے اُصولوں پر
ہر پھُول مہکتا ہے، ہر خار کھٹکتا ہے
دیکھو تو نصیرؔ آخر، شاید کوئی ارماں ہو
یہ کون درِ دل پر سَر اپنا پٹکتا ہے

◎

یُوں جمالِ رُوئے جاناں شمعِ خلوَت خانہ تھا

دل ہمارا غرقِ آتش صورتِ پروانہ تھا

اک جمالِ بے تکیُّف جلوہَ جانانہ تھا

آنکھ جس جانب اُٹھی، ہر ذرّہ حیرت خانہ تھا

سوز سے خالی جگر تھا، غم سے دل بیگانہ تھا

عشق میں ہم نے وہ دیکھا جو کبھی دیکھا نہ تھا

جب حقیقت سے اُٹھا پردہ تو یہ عُقدہ کُھلا

خواب تھا وہمِ دُوئی، زَعمِ خودی، افسانہ تھا

وصل میں گنجائشِ اغیار اِتنی بھی! نہ تھی

چشم و گوش و ہوش ہر اپنا وہاں بیگانہ تھا

لے کے ہم سے دین و دل، عقل و خرد بولا کوئی

یہ تو راہ و رسمِ الفت کا فقط بیعانہ تھا

خانۂ لیلیٰ میں تھے جنّت کے اسبابِ نشاط
قیس کے حصّے میں تاحدِّ نظر ویرانہ تھا

زندگی کے ہمسفر تھے نزع میں بھی دل کے پاس
بے کسی تھی ، یاس تھی ، ارمان تھے ، کیا کیا نہ تھا

وہ بھی کیا دن تھے کہ پیرِ میکدہ کے عشق میں
یہ جبینِ شوق تھی ، سنگِ درِ میخانہ تھا

فیصلہ دیتے ہوئے وہ بڑھ گئے حد سے نصیرؔ
میں سزاوارِ سزا تو تھا ، مگر اِتنا نہ تھا

◎

میکدے کا نظام تم سے ہے　　شیشہ تم سے ہے، جام تم سے ہے
صبح تم سے ہے، شام تم سے ہے　　ہر طرح کا نظام تم سے ہے
سب کو سوز و گداز تم نے دیا　　عشق کا فیضِ عام تم سے ہے
مَیں زمانے کے رُو برو چپ ہوں　　بے تکلّف کلام تم سے ہے
خالِ مشکیں بھی، زلفِ پیچاں بھی　　دانہ تم سے ہے، دام تم سے ہے
مہرِ انور میں ہے تمہاری ضیا　　حُسنِ ماہِ تمام تم سے ہے
تم ہو بنیاد دونوں عالم کی　　دو جہاں کا قیام تم سے ہے
ہم تمہارے ہیں، تم ہمارے ہو　　ہم کو عشقِ دوام تم سے ہے

اب کسی کو نصیر کیا جانے
اب تو جو کچھ ہے کام تم سے ہے

◎

نہ رہی وہ بزمِ عشرت ، نہ وہ عیشِ جاودانا
تری اک نظر نے لُوٹا ، مری عمر کا خزانا
نہ کہیں کا تُو نے چھوڑا ، مُجھے گردشِ زمانا
نہیں ڈھونڈنے سے مِلتا ، کہیں اب کوئی ٹھکانا
مرے بدنصیب دل کو ، نہ مِلا کہیں ٹھکانا
نہ حریمِ لالہ و گُل ، نہ قفس ، نہ آشیانا
یہی عینِ بندگی ہے ، یہی رمزِ عارفانا
ترے آستاں پہ جانا ، ترے در پہ سر جُھکانا
مرا آخری سہارا تو یہ قُرب ہے تمہارا
جسے آسرا دیا ہے ، اُسے یُوں نہ چھوڑ جانا
نہ وہ قُربتیں ، نہ جلوے ، نہ وہ روز و شب میسّر
جسے ڈھونڈتی ہیں نظریں ، وہ گزر گیا زمانا

ترے سنگِ در سے مجھ کو، یہ مِلی ہے سربلندی

مرا تاجِ سروری ہے، تری خاکِ آستانا

مرے ساتھ تُو رہے گا تو زمانہ کیا کہے گا

مری اِک یہی تمنّا، اُسے اک یہی بہانا

یہ وفاؤں کا صلہ ہے، یہ کرم کی انتہا ہے

مجھے اُس نے اپنا سمجھا، مجھے اُس نے اپنا جانا

نہیں اُن کی ذات سے کچھ، مجھے اے نصیرؔ نسبت

مَیں گُلِ خزاں رسیدہ، وہ بہارِ جاودانا

◎

فلک پہ تیر چلانا بھی مجھ کو آتا ہے
فُغاں سے حشر اُٹھانا بھی مجھ کو آتا ہے
خفا جو ہو تو منانا بھی مجھ کو آتا ہے
کسی کو راہ پہ لانا بھی مجھ کو آتا ہے
جو بس چلے تو بُھلانا بھی مجھ کو آتا ہے
کبھی پلٹ کے نہ آنا بھی مجھ کو آتا ہے
ترے فراق میں جو اشک پی لیے مَیں نے
اُنہیں مِژہ پہ سجانا بھی مجھ کو آتا ہے
الٰہی خیر، کہا اُس نے کس کے بارے میں
نظر سے اپنی گرانا بھی مجھ کو آتا ہے
نقاب اُلٹ کے بہ صد برہمی کہا اُس نے
بپھر کے سامنے آنا بھی مجھ کو آتا ہے
تجلّیِ رُخِ جاناں کا آئنہ ہُوں نصیرؔ
دل و نگاہ پہ چھانا بھی مجھ کو آتا ہے

◎

یہ بات دل سے کہوں گا، فقط زباں سے نہیں
کوئی ملال مجھے جورِ دوستاں سے نہیں

قفس نصیب کو اب ربط گلستاں سے نہیں
زمینِ گُل سے نہیں، شاخِ آشیاں سے نہیں

ملال ہے تو عَدو کی شکایتوں کا اُنہیں
وہ غم زدہ ہیں، مگر میری داستاں سے نہیں

کبھی تو آیئے دو گام چل کے بندہ نواز!
مکان دُور مِرا آپ کے مکاں سے نہیں

سوالِ وصل پہ مبہم سا یہ جواب مِلا
نگاہ سے تو کہی "ہاں" مگر زباں سے "نہیں"

ہمارے سَر پہ اب الزامِ بے رُخی کیسا
وہاں سے بات اُٹھائی گئی، یہاں سے نہیں

اگر سُنو تو تمام و کمال حال سُنو
ہم ابتدا سے سُنائیں گے، درمیاں سے نہیں

تمہاری مانگ کی افشاں سے راہ روشن ہے
یہ اِن فلک کے ستاروں سے، کہکشاں سے نہیں

ملال ہے تو فقط عرضِ غم پہ ظالم کو
گرفتہ دل وہ مری گرمیِ فغاں سے نہیں

نصیرؔ اپنا تعلّق اُس آستاں سے ہے
جو اپنے رُتبے میں کم ہفت آسماں سے نہیں

◎

بڑھا مقتل میں جب خنجر کی جانب ہاتھ قاتل کا
یہ دل ہی جانتا ہے حوصلہ کیا تھا مرے دل کا
چلا تھا شکوۂ بیداد کرنے اُن کی آنکھوں سے
کیا اک جنبشِ تیرِ مِژہ نے فیصلہ دل کا
نظر آتے نہیں آثار تک اب خانۂ دل کے
غموں نے یوں بدل کر رکھ دیا نقشہ مرے دل کا
تمنّاؤں نے اپنی راہ لی ، رُخصت ہوئے ارماں
عجب عالَم ہے اب اُجڑے ہوئے کاشانۂ دل کا
تُمھیں سے آس تھی دل کو، تُمھیں دل کے مخالف ہو
خدا ہی اب نگہباں ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل کا
تمہارے دل سے مِل کر اب مرا دل ہے تمہارا دل
نہیں ممکن تعلّق اِس طرح دل سے کسی دل کا

محبّت میں وہ تڑپائیں ، ستم ڈھائیں، سزائیں دیں
مگر ٹوٹے نہ یارب حوصلہ ٹوٹے ہوئے دل کا
چھپایا اُن سے ہم نے لاکھ اپنا حالِ غم ، لیکن
اچانک کہہ دیا اشکوں نے بہہ کر ماجرا دل کا
بہر مضموں ، بہر بندش ، بہر عالَم ، بہر صورت
نصیرِ دل گرفتہ نے نبھایا قافیہ دل کا

غزل بقیدِ یک قافیہ

◎

شوقِ دیدار پردہ دَر نہ ہُوا مطمئن جذبۂ نظر نہ ہُوا

جو نہ ہونا تھا، عمر بھر نہ ہُوا نخلِ اُمّید بارَوَر نہ ہُوا

اہلِ دل کی وفا شعاری کا اُس جفا جُو پہ کچھ اثر نہ ہُوا

ہم ہوئے لاکھ سب سے بیگانے وہ نہ اپنا ہُوا مگر، نہ ہُوا

منزلِ عشق تھی کٹھن ایسی کوئی بھی میرا ہم سفر نہ ہُوا

جس طرف انتظار میں ہم تھے اُس طرف آپ کا گُزر نہ ہُوا

خانۂ دل تھا غیر سے خالی پھر بھی وہ شوخ جلوہ گر نہ ہُوا

ہائے افسوس میری چاہت کا اُن کو احساس عمر بھر نہ ہُوا

خاکِ پروانہ ہو گئی برباد کوئی پُرساں دمِ سَحَر نہ ہُوا

میرے حالات سے نصیرؔ اب تک
باخبر، کوئی بے خبر نہ ہُوا

◎

منزلِ شوق میں ایسا بھی مقام آتا ہے
کہ جہاں صِرف جُنوں راہ میں کام آتا ہے

جب تصوّر میں چھلکتا ہُوا جام آتا ہے
لب پہ بے ساختہ ساقی ترا نام آتا ہے

ایک تم ہو کہ جو بچھڑے تو نہ لَوٹے ، ورنہ
ہر کوئی لَوٹ کے گھر کو سرِ شام آتا ہے

زلفِ گیتی کی اداؤں میں کشش ہے ایسی
مُرغِ دل ٹُوٹ کے خود ہی تہِ دام آتا ہے

اِس کا مطلب یہ ہُوا پھولوں سے اُلفت ہے اُنہیں
خطِ گلزار میں ، ہر خط مرے نام آتا ہے

بے رُخی اُن کی نصیرؔ اب تو یہاں تک پہنچی
نہ سلام آتا ہے کوئی ، نہ پیام آتا ہے

-: فنِ کتاب میں خطّاطی کا ایک انداز

◎

ہو کر وہ جواں، بدل گیا ہے — واللہ! غزل میں ڈھل گیا ہے
کیا آئے گا وہ، جو کل گیا ہے — اپنا تو دماغ چل گیا ہے
رہزن کا عذاب ٹل گیا ہے — رَستہ ہی مرا بدل گیا ہے
سائے میں جو آ گیا ہمارے — سانچے میں جُنوں کے ڈھل گیا ہے
یہ کس نے کہا کہ حشر اٹّھا — دیوانہ ترا مچل گیا ہے
چھیڑی تھی وفا کی بات مَیں نے — احباب کا رُخ بدل گیا ہے
تابندہ ہُوا ہے داغ دل کا — کعبے میں چراغ جل گیا ہے
اُس پر ہیں عذاب آخرت میں — دُنیا سے جو بے عمل گیا ہے
الزام غلط ہے شمع کے سَر — پروانہ تو آپ جل گیا ہے

دنیا میں نصیرؔ میرے دل کو
ٹھوکر وہ لگی، سنبھل گیا ہے

◎

بہلتے کس جگہ ، جی اپنا بہلانے کہاں جاتے
تری چوکھٹ سے اُٹھ کر تیرے دیوانے کہاں جاتے

نہ واعظ سے کوئی رشتہ ، نہ زاہد سے شناسائی
اگر ملتے نہ رندوں کو تو پیمانے کہاں جاتے

خدا کا شکر ، شمعِ رُخ لیے آئے وہ محفل میں
جو پردے میں چُھپے رہتے تو پروانے کہاں جاتے

اگر ہوتی نہ شامل رسمِ دنیا میں یہ زحمت بھی
کسی بے کس کی میّت لوگ دفنانے کہاں جاتے

اگر کچھ اور بھی گردش میں رہتے دیدۂ ساقی
نہیں معلوم چکّر کھا کے میخانے کہاں جاتے

خدا آباد رکھّے سلسلہ اِس تیری نسبت کا
وگرنہ ہم بھری دنیا میں پہچانے کہاں جاتے

نصیؔر اچّھا ہوا در مِل گیا اُن کا ہمیں ، ورنہ
کہاں رُکتے ، کہاں تھمتے ، خدا جانے کہاں جاتے

◎

محبّت کا یہی معیار ہو گا | جو سَر دے گا ، وہی سردار ہو گا
گِلہ برحق سہی ، بے کار ہو گا | وہ ظالم برسرِ پیکار ہو گا
فلک جب درپئے آزار ہو گا | نشیمن شاخِ گُل پَر ، بار ہو گا
کسے معلوم تھا یہ غم کا عالَم | ہمارے ہی گلے کا ہار ہو گا
اُسی پر تیر برسیں گے جفا کے | وفا کا جو علَم بردار ہو گا
تمھاری آنکھ کیوں رہتی ہے پُرنم | تمہیں شاید کسی سے پیار ہو گا
سُنا ہے ، چل بسا کل رات کوئی | یقیناً وہ ترا بیمار ہو گا
سہارا دے گا وہ کیوں کر کسی کو | جو خود گرتی ہوئی دیوار ہو گا
ذرا کِھلنے تو دو داغِ تمنّا | ہمارا دل گُل و گلزار ہو گا
کرم کی التجا بے کار اے دل ! | ارے ناداں ! ستم ہر بار ہو گا

نصیرؔ اب بھی یہی مَیں کہہ رہا ہُوں
وہ مِل جائیں ، تو بیڑا پار ہو گا

◎

جو مجھ کو دیتے رہے دھمکیاں جلانے کی
منائیں خیر وہ آج اپنے آشیانے کی
نہ پوچھ مجھ سے بُرے وقت کے نشیب و فراز
مری نگاہ میں ہیں کروٹیں زمانے کی
بھلا ہو بادِ خزاں تیرے چار جھونکوں کا
"جُھکی تو پھر نہ اُٹھی شاخ آشیانے کی"
ملے گا آپ کی ہر بات کا جواب یہیں
مگر اُٹھایئے پہلے قَسَم نہ جانے کی
مدد کا وقت ہے پھر اے مذاقِ خود کَشی
کہ کوششیں ہیں مجھے راہ پر لگانے کی
سحابِ فَضل! بَرس اور ہم پہ کُھل کے بَرس
کہ بجلیوں کو تو عادت ہے مُسکرانے کی

مرا کہا جو نہیں مانتے ، نہ مانو تم
سبق پڑھائیں گی خود ٹھوکریں زمانے کی

نگاہ ، قول پہ ہو مُرتکز ، نہ قائل پر
کہے کوئی بھی ، مگر بات ہو ٹھکانے کی

خدا بچائے سرِ بزم آج واعظ سے
اِسے ہے مُفت میں عادت زباں چلانے کی

کھڑے ہیں کس لئے احباب یُوں سرِ بالیں
نکالتے کوئی صورت اُنہیں منانے کی

نہیں ہیں غم سے یہ اَطفالِ اشک ہی منسوب
کہ آہِ سَرد بھی ہے فرد اِس گھرانے کی

وہ دَور کیا تھا کہ شِیر و شکر تھے ہم تم بھی
غضب ہُوا کہ نظر کھا گئی زمانے کی

چمن کی سوچ یہاں تک بھی آگئی تھی نصیرؔ !
کہ شاخ ہی نہ رہے میرے آشیانے کی

◎

اشک آنکھوں میں آئے جاتے ہیں
ہم یہ موتی لُٹائے جاتے ہیں

چوٹ پر چوٹ کھائے جاتے ہیں
پھر بھی ہم مُسکرائے جاتے ہیں

وہ تو ساقی ہیں، مَیں ہُوں بادہ گُسار
پی رہا ہُوں ' پلائے جاتے ہیں

یہ تمہاری گلی ہے ' یا مقتل
روز لاشے اُٹھائے جاتے ہیں

سُن لیا وعظ ' حضرتِ ناصح !
کیوں مرے کان کھائے جاتے ہیں

جن میں ہے کچھ رَمَق شرافت کی
ایسے کچھ لوگ پائے جاتے ہیں

بے بُلائے کہیں گئے نہ کبھی
ہم کسی کے بُلائے جاتے ہیں

ذکر میرا ہے، غیر سے ہے خطاب
یُوں بھی قصّے سنائے جاتے ہیں

چار و ناچار دیکھنا ہوں گے
جو تماشے دکھائے جاتے ہیں

ہوں گے اک دن کرم ' نصیرؔ یہ بھی
ایسے آثار پائے جاتے ہیں

◎

دل میں ہلچل ہے بپا ، جان پہ بن آئی ہے
اِک قیامت ہے کہ ظالم ! تری انگڑائی ہے

اب ترے ہجر میں یہ انجمن آرائی ہے
اِک تری یاد ہے ، مَیں ہُوں ، شبِ تنہائی ہے

وہ کسی اور کو دل دینے پہ تیّار نہیں
تیرا شیدائی تو بس ، تیرا ہی شیدائی ہے

نہ کوئی حال کا پُرساں ، نہ شناسا ، نہ رفیق
مجھ کو تقدیر ، یہ کس موڑ پہ لے آئی ہے ؟

ہوش میں آئے ، تو کچھ منہ سے کہے ، کیا گُزری
تیرے جلووں میں ابھی محو ، تماشائی ہے

شاخِ گُل خار بہ کف ، داغ بہ دل ہے لالہ
دستِ فطرت کی یہ کیسی چمن آرائی ہے

عشق میں ایسے مقامات کئی بار آئے
دل بھی ڈُوبا ہے مرا ، آنکھ بھی بھر آئی ہے

دل اُڑانے کے سب اسباب ملے ہیں اُن کو
ناز ہے ، غمزہ ہے ، انداز ہے ، رعنائی ہے

داغِ دل ، صُورتِ خورشیدِ سَحَر ، ہے روشن
کتنا تابندہ چراغِ شبِ تنہائی ہے

مدّتوں بعد وہ آئے ہیں گلستاں میں نصیر !
مدّتوں بعد گلستاں میں بہار آئی ہے

◎

جو گِرا ہے پستیوں میں ، تو غُبار تک نہ اُٹّھا
وہ سیاہ بخت جس سے غمِ یار تک نہ اُٹّھا

کوئی مَوجۂ تبسّم ، لبِ یار تک نہ اُٹّھا
وہ نزاکتوں کا عالم ، کہ یہ بار تک نہ اُٹّھا

درِ یار ہے وہ منزل ، کہ ہے زندگی کا حاصل
وہ قدم ہی کیا اُٹھا جو ، درِ یار تک نہ اُٹّھا

وہ تو ایک منچلا تھا ، کہ زباں پہ راز لایا
کوئی فتنہ پھر اَنا کا ، کبھی دار تک نہ اُٹّھا

کہیں شاخ سرنگوں ہے ، کہیں برگِ گُل ، زبوں ہے
جو خزاں کی زد میں آیا ، وہ بہار تک نہ اُٹّھا

کوئی آرزو تو کیوں کر ، کہیں اپنا سر اُٹھاتی
ترے بارِ غم سے دَب کر ، دلِ زار تک نہ اُٹّھا

وہ دبا پڑا ہے اب تک، تہِ گردِ راہِ غُربت
وہی بدنصیب لاشہ، جو مزار تک نہ اُٹّھا

جو سَحَر ہُوئی نمایاں، تو ہزاروں دَرد جاگے
کوئی غم کی نیند سوکر، شبِ تار تک نہ اُٹّھا

مجھے خاک میں مِلایا، یہ تری سِتم ظریفی
یہ مری نیاز مندی، کہ غبار تک نہ اُٹّھا

یہ بہار کا زمانہ، یہ نصیرؔ حالِ گلشن
گُلِ تر کی بات چھوڑو، سرِ خار تک نہ اُٹّھا

◎

رُودادِ قفس یاد نہ اندازِ فغاں یاد
جو بیت گئی بیت گئی اب وہ کہاں یاد
ہر غنچہ و گُل میں ترے جلووں کے شگوفے
ہر سُو تری یادیں ہیں، یہاں یاد، وہاں یاد
تم بُھول گئے مجھ کو تو کیا اِس میں تعجّب
اِس دَور میں کرتا ہے کسے، کون، کہاں یاد
کس نام نے رس گھول دیا کام و دہن میں
کرتی ہے کسے منہ میں زباں رقص کُناں یاد
کافی تھی تباہی کے لئے گردشِ دوراں
تم ایسے میں کیوں آ گئے اے جانِ جہاں! یاد
تحریر میں لاتے ہیں مرے اشک مُسلسل
تم کو بھی تو ہو گا وہ بچھڑنے کا سماں یاد

اپنے سے رقابت کا یہ عالم ہے کہ توبہ
ہم بُھول گئے خود کو وہ آئے ہیں جہاں یاد
ماضی کے دریچے سے کبھی جھانک کے دیکھو
شاید تمھیں آ جائے مرا نام و نشاں یاد
ہِک تُویوں تے ہیں میریاں آساں دا سہارا
فریاد کراں کینوں جے تینوں نہ کراں یاد
لہجے میں ہو اخلاص تو دو بول بہت ہیں
انسان کو رہتی ہے محبّت کی زباں یاد
مَیں نے بھی گُہر ایسے چُنے کانِ سخن سے
اُمّید ہے رکھّیں گے مجھے اہلِ زباں یاد
قُربت میں نصیرؔ آج یہ کیا خدشۂ دُوری
بہتر ہے نہ کر فصلِ بہاراں میں خزاں یاد

◎

مجھ پہ اب اُن کا التفات نہیں — وہ محبّت نہیں، وہ بات نہیں

آپ ہم سے بھی بات چیت کریں — اِس میں ڈرنے کی کوئی بات نہیں

صرف چاہا تمھیں مرے دل نے — اور تو کوئی خاص بات نہیں

آپ کی بات کا تو کیا کہنا — ہاں! مری بات کوئی بات نہیں

یاد کرتے تو ایک بات بھی تھی — بھُول جانا تو کوئی بات نہیں

خامشی میں ہزار باتیں ہیں — بات ہے اور کوئی بات نہیں

اک تعلّق تو ہے اُنہیں مجھ سے — بے رُخی ایسی کوئی بات نہیں

غمزہ، شوخی، جفا، دل آزاری — آپ میں اور کوئی بات نہیں؟

غم نہ کر میری خستہ حالی کا — عشق ہے، اور کوئی بات نہیں

وہ جو چاہیں نواز دیں ہم کو — اُن کے نزدیک کوئی بات نہیں

دل مِلائے کوئی، تو بات بنے — آنکھ مِلنا تو کوئی بات نہیں

بن گئی میری جان پر، لیکن — آپ کہتے ہیں، کوئی بات نہیں

تُجھ سے ناراض، اور وہ، توبہ
اے نصیرؔ! ایسی کوئی بات نہیں

(بقیدِ یک قافیہ)

◎

مری زیست پُر مسرّت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی
کوئی بہتری کی صورت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی
مجھے حُسن نے ستایا مجھے عشق نے مٹایا
کسی اور کی یہ حالت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی
وہ جو بے رُخی کبھی تھی وہی بے رُخی ہے اب تک
مرے حال پر عنایت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی
وہ جو حکم دیں بجا ہے مرا ہر سخن خطا ہے
اُنہیں میری رُو رعایت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی
جو ہے گردشوں نے گھیرا تو نصیب ہے یہ میرا
مجھے آپ سے شکایت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی
ترے در سے بھی نباہے درِ غیر کو بھی چاہے
مرے سر کو یہ اجازت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی

ترا نام تک بُھلا دوں تری یاد تک مٹا دوں
مجھے اِس طرح کی جرأت کبھی تھی نہ ہے نہ ہو گی

مَیں یہ جانتے ہوئے بھی تری انجمن میں آیا
کہ تجھے مری ضرورت کبھی تھی نہ ہے نہ ہو گی

تُو اگر نظر مِلائے مرا دم نکل ہی جائے
تجھے دیکھنے کی ہمّت کبھی تھی نہ ہے نہ ہو گی

جو گِلہ کیا ہے تم سے تو سمجھ کے تم کو اپنا
مجھے غیر سے شکایت کبھی تھی نہ ہے نہ ہو گی

ترا حُسن ہے یگانہ ، ترے ساتھ ہے زمانہ
مرے ساتھ میری قسمت کبھی تھی نہ ہے نہ ہو گی

یہ کرم ہے دوستوں کا جو وہ کہہ رہے ہیں سب سے
کہ نصیؔر پر عنایت کبھی تھی نہ ہے نہ ہو گی

◎

عجیب منظرِ بالائے بام ہوتا ہے
جب آشکار وہ ماہِ تمام ہوتا ہے

ہراسِ شب، اثرِ ضعف، خوفِ راہزناں
مسافروں پہ گراں وقتِ شام ہوتا ہے

بس اک نگاہ پہ ہے دل کا فیصلہ موقوف
بس اک نگاہ میں قصّہ تمام ہوتا ہے

جب اپنے گھر پہ بلاتا ہُوں مَیں کبھی اُن کو
اُنہیں ضرور کوئی خاص کام ہوتا ہے

جواب دے نہیں سکتی زبانِ شوق مری
کچھ اِس ادا سے کوئی ہمکلام ہوتا ہے

رہِ جنوں میں لپٹتے ہیں پاؤں سے کانٹے
بہ ہر قدم یہ مرا احترام ہوتا ہے

نظر نظر پہ سرِ بزم ہے نظر اُن کی
نظر نظر میں سلام و پیام ہوتا ہے
نصیرؔ اہلِ وفا کے بڑے مراتب ہیں
بہت بلند وفا کا مقام ہوتا ہے

◎

مرے ہوش یُوں جو جاتے تو کچھ اور بات ہوتی
وہ نظر سے مَے پلاتے تو کچھ اور بات ہوتی

ہوئیں جلوہ گر بہاریں کِھلے گُل چمن میں ، لیکن
وہ جو آ کے مسکراتے تو کچھ اور بات ہوتی

مرا انجمن میں جانا کوئی اور رنگ لاتا
مجھے آپ خود بلاتے تو کچھ اور بات ہوتی

اُنہیں کیا یہ بات سُوجھی مجھے کس لئے مٹایا
غمِ آرزو مٹاتے تو کچھ اور بات ہوتی

دمِ نزع لے کے پہنچا ہے پیام اُن کا ، قاصد
وہ جو آپ چل کے آتے تو کچھ اور بات ہوتی

کئی بار ہاتھ مجھ سے وہ مِلا چکے ہیں ، لیکن
جو نصیؔر دل مِلاتے تو کچھ اور بات ہوتی

◎

حال دل کا جتا کے دیکھ لیا　　خَلق کو آزما کے دیکھ لیا

بڑھ گئی اور میری بیتابی　　آپ نے مسکرا کے دیکھ لیا؟

کوئی اپنا نہیں زمانے میں　　ہر طرح آزما کے دیکھ لیا

خاک ہو کر لپٹ گیا کوئی　　تم نے دامن چُھڑا کے دیکھ لیا؟

دلِ وحشی رہا نہ قابُو میں　　کیوں ہمیں مسکرا کے دیکھ لیا

بے نتیجہ رہی یہ کوشش بھی　　ربط اُن سے بڑھا کے دیکھ لیا

کوئی شے بھی تو لازوال نہیں　　بزمِ ہستی میں آ کے دیکھ لیا

کس قدر آج خود بھی ہو بے چین　　اہلِ دل کو، ستا کے دیکھ لیا؟

وہ نہ آئے نصیرؔ میرے گھر
چشمِ حسرت بچھا کے دیکھ لیا

◎

جان کے درپے، مگر بن کر مسیحا، بیٹھنا
اک قیامت بن گیا ہے اُن کا اُٹھنا بیٹھنا

بیٹھے بیٹھے ہی اُٹھا دیتے ہیں فتنے سینکڑوں
آپ کس سے سیکھ کر بیٹھے ہیں، ایسا بیٹھنا

منزلِ الفت کے راہی کو فقط چلنے سے کام
چل پڑے جب یہ مسافر، پھر کہاں کا بیٹھنا

اہلِ محفل کے لئے مَیں نیشِ عقرب تو نہیں
کیوں گزرتا ہے گراں میرا وہاں جا بیٹھنا

اُن کے دیوانے کی آمد کا پتا دیتا ہے صاف
ہر بگولے کا بیاباں میں یہ اُٹھنا بیٹھنا

بُھول سکتا ہی نہیں کوئی یہ منظر، یہ سماں
اُن کا وہ پہلو سے اُٹھنا اور دل کا بیٹھنا

تلخیاں باتوں میں، لہجے میں تپش، برہم مزاج
ہو جہاں توہین رہ رہ کر، وہاں کیا بیٹھنا

اُن کے اِس طرزِ تلوّن پر ہے دُنیا دَم بخود
جا و بے جا کہہ گزرنا، جل کے اُٹھنا بیٹھنا

آدمیّت کے تقاضے، رنگ لاتے ہیں ضُرور
کام آتا ہے کسی دن، سب میں اُٹھنا بیٹھنا

رفتہ رفتہ اُٹھ گئے خود، جو اُٹھاتے تھے مجھے
کوچۂ جاناں میں آخر کام آیا، بیٹھنا

ہجر کی شب ایسی صورت ہو تو نیند آئے کیسے
دردِ دل اُٹھ کر اُٹھائے جب، تو کیسا بیٹھنا

شمع سے بس اک یہی ہم نے سبق سیکھا نصیرؔ!
بزم در آغوش رہنا اور تنہا بیٹھنا

◎

بہار آئی، تو کُھل کر کامِ میخانے بھی آئیں گے
چلے گا دَور، مَے چھلکے گی، پیمانے بھی آئیں گے

لبوں پر حشر میں وحشت کے افسانے بھی آئیں گے
دلوں کا حال کہنے، اُن کے دیوانے بھی آئیں گے

نہیں بے کار، جو آنسو بہاتی ہیں مری آنکھیں
کسی دن کام یہ بے ربط افسانے بھی آئیں گے

تواضع آج ہو گی اہتماماً بزمِ ساقی میں
فقط مَے ہی نہیں آئے گی، پیمانے بھی آئیں گے

کسی کی پُرفسوں باتوں سے تم، دھوکا نہ کھا جانا
سرِ محفل فقط کہنے کو دیوانے بھی آئیں گے

جہاں میرے علاوہ دُوسرا کوئی نہیں ہو گا
کسی کی جستجو میں ایسے ویرانے بھی آئیں گے

مجازی عشق سے دامن بچائے کس طرح کوئی

حریمِ حُسن کے رستے میں بُت خانے بھی آئیں گے

تمہارے سامنے اِس واسطے میری زباں چُپ ہے

بیانِ شوق میں، کچھ دل کے افسانے بھی آئیں گے

یہ عالم رفتہ رفتہ ہو گا بیمارِ محبّت کا

عیادت کے لئے اپنے بھی، بیگانے بھی آئیں گے

جو گردِ شوق بن کر اُن کے دامن سے لپٹ جائیں

نصیرؔ اُن کی گلی میں ایسے دیوانے بھی آئیں گے

◎

چھین لیں دل وہ مرا ، فکر اُدھر ہے تو یہی
اُن کا منشائے نظر کوئی اگر ہے ، تو یہی

وہ ضرور آئیں گے ، گزریں گے اِدھر سے اک دن
مجھ کو اُمّید سرِ راہگزر ہے ، تو یہی

اُن کا دیدار کہیں ہو ، وہ کہیں مِل جائیں
رات دن کوئی تقاضائے نظر ہے ، تو یہی

اُن سے اظہارِ تمنّا تو نہیں ہے مشکل
وہ کہیں رُوٹھ نہ جائیں مجھے ڈر ہے ، تو یہی

تیری نسبت ، ترا ارماں ، تری حسرت ، تری یاد
اب مرے پاس کوئی زادِ سفر ہے ، تو یہی

مَیں ترے در سے کہیں اور نہیں جا سکتا
سَر ٹِکانے کے لئے بس کوئی در ہے ، تو یہی

میرے افکار کا محور ہے نصیؔر اُن کا جمال
مرکزِ دائرۂ فکر و نظر ہے ، تو یہی

◎

اک اک ادا تھی قہر کے تیور لئے ہوئے
نکلے جو وہ حجاب سے خنجر لئے ہوئے

ہم لے اُڑے ہیں اُن کی جھلک اک نگاہ میں
بیٹھے رہیں نقاب وہ رُخ پر لئے ہوئے

اُن کا جمالِ ناز ہے خنجر در آستیں
اُن کی شمیمِ زلف ہے نشتر لئے ہوئے

ڈسنے لگی ہے اب شبِ فرقت کی تیرگی
آجاؤ صبحِ رُوئے مُنوّر لئے ہوئے

ہر گام پر ہے اک نئی اُلجھن کا سامنا
ہم آئے ہیں عجیب مقدّر لئے ہوئے

جس دم چمن میں آئے وہ بن کر عُروسِ ناز
حاضر ہوئی بہار، گُلِ تر لئے ہوئے

دیکھے تو کوئی اُن کی یہ طفلانہ دھمکیاں
مجھ کو ڈرا رہے ہیں وہ خنجر لئے ہوئے
اُس کے طفیل بخش دے یا رب نصیرؔ کو
پہنچا جو کربلا میں بہتّر (72) لئے ہوئے

◎

ابھی وہ خوش، ابھی ناخوش ، کرم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی
تصرّف اُن کا مجھ پر بیش و کم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

تری قُربت ہو ، یا دُوری ہو، غم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی
مرا دل تختۂ مشقِ ستم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

نقابِ رُخ اُلٹ دیں یا نہ اُلٹیں وہ تہِ گردوں
مہِ کامل کی تابش اُن سے کم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

کبھی ہے دام کا پھندا ، کبھی زنجیر کا حلقہ
برائے مُرغِ دل ، زلفوں کا خَم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

محبّت پر ہو ، یا ترکِ محبّت پر ہو آمادہ
ہمارا سر تہِ تیغِ الم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

وہ اپنے ہاتھ سے مارے کہ ہم فرقت سے مر جائیں
ہمارے سامنے راہِ عدم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

کبھی جاتا ہُوں مَیں آگے کبھی پیچھے پلٹتا ہُوں
جُنوں کی راہ میں میرا قدم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

کُھلے گا جب ہمارا دفترِ اعمالِ نیک و بد
خدا سے حشر میں کہہ دیں گے ہم، یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

میسّر ہو نہ ہو محفل میں بادہ ہم کو ساقی سے
ہمارے واسطے وہ محترم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

یہ غزلیں اور یہ نعتیں نصیؔر انعامِ قدرت ہے
سرِ قرطاس جُنبش میں قلم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی

◎

تُجھ سا نہ تھا کوئی ، نہ کوئی ہے حسیں کہیں
تُو بے مثال ہے ترا ثانی نہیں کہیں

اپنا ، جُنوں میں مدِّ مقابل نہیں کہیں
دامن کہیں ہے ، جیب کہیں ، آستیں کہیں

زاہد کے سامنے ہو جو وہ نازنیں کہیں
دل ہو کہیں حضور کا ، دنیا و دیں کہیں

اک تیرے آستاں پہ جُھکی ہے ہزار بار
ورنہ کہاں جُھکی ہے ہماری جبیں کہیں

دل کا لگاؤ ، دل کی لگی ، دل لگی نہیں
ایسا نہ ہو کہ دل نہ لُٹا دیں ہمیں کہیں

کیا کہیئے کس طرف گئے جلوے بکھیر کر
وہ سامنے تو تھے ابھی میرے یہیں کہیں

گزرے گی اب تو کوچۂ جاناں میں زندگی
رہنا پڑے گا اب ہمیں جاکر وہیں کہیں

دل سے تو ہیں قریب جو آنکھوں سے دُور ہیں
موجود آس پاس ہیں وہ بالیقیں کہیں

نظروں کی اور بات ہے دل کی ہے اور بات
باتیں جو میرے دل میں ہیں اب تک نہیں کہیں

باشندگانِ صحنِ چمن ! ہوشیار باش
بجلی چمک رہی ہے چمن کے قریں کہیں

میرا ضمیر اپنی جگہ پر ہے مطمئن
اپنا سمجھ کے اُن سے جو باتیں کہیں، کہیں

دل نے بہت کہا کہ تمہیں مہرباں کہوں
اِس ڈر سے چُپ رہا کہ نہ کہہ دو نہیں، کہیں

آتے ہی ہم تو کوچۂ جاناں میں لُٹ گئے
دل کھو گیا نصیر ہمارا یہیں کہیں

◎

مجھ کو بھی سودا ہُوا ہے اُس ستم ایجاد کا
اے مذاقِ جوشِ وحشت ! وقت ہے امداد کا
جمگھٹا ہے میرے غم خانے میں ہر اُفتاد کا
درد کا ، غم کا ، الم کا ، آہ کا ، فریاد کا
اب تو اے صیّاد تیرے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی
اُٹھ گیا گلشن سے بستر بلبلِ ناشاد کا
دے چکا دل آپ کو ، اب تابِ سرتابی نہیں
ہر طرح پابند ہُوں مَیں آپ کے ارشاد کا
حُسن والوں کو نزاکت کی ادائیں بخش کر
رکھ دیا قدرت نے سینے میں جگر فولاد کا
کیا کسی وحشی نے رکھے ہیں قدم پہلے پہل
شور زنداں میں یہ کیسا ہے ، مبارک باد کا

جب خزاں کے ہاتھ سے لُوٹا گیا رنگِ چمن
کوئی بھی پُرساں نہ نکلا بلبلِ ناشاد کا
مسکرا کر دیکھنا مجھ کو بہ صد حُسنِ کرم
ایک پہلو یہ بھی ہے ظالم ! تری بیداد کا
مِل گئی دادِ وفا اُس بانیِ بیداد سے
ہم کو طے کرنا پڑا ہر مرحلہ بیداد کا
اُن کا رُوحانی تعاون مجھ کو حاصل ہے نصیرؔ !
نام لیوا ہُوں دل و جاں سے شہِؒ بغداد کا

◎

مسکرانے کا ہُنر سیکھ گئے تُم ایسا
ہم نے دیکھا نہیں پھولوں میں تبسُّم ایسا

ساکھ کھو دیتا ہے یاروں کی ، تصادُم ایسا
کیوں کہو ہم کو بُرا ، اور سُنو تُم ایسا

مجھ کو خود اپنی حقیقت کی خبر تک نہ ہوئی
رات دن تیرے تصوّر میں رہا گُم ایسا

جیسے غنچوں کے چٹکنے کی صدا گلشن میں
مِل گیا ہے اُنہیں اندازِ تکلُّم ایسا

موج کس دُھوم سے بپھری مِری کشتی کے لئے
اِس سے پہلے کبھی اُٹھا نہ تلاطُم ایسا

جان پر حکم ہے ، دل پر ہے حکومت اُن کی
اُن کو اللہ نے بخشا ہے تحکُّم ایسا

دل کا آئینہ سلامت نہ رہا محفل میں
ہو گیا اُن کی نگاہوں سے تصادُم ایسا

مَیں پیے جاؤں، پیے جاؤں، پیوں اور پیوں
کوئی ساغر، کوئی مِینا ہو، کوئی خُم ایسا

گردِ غم چہرے پہ مَل لیتے ہیں اہلِ اُلفت
کہیں دیکھا نہ سُنا ہم نے تیمُّم ایسا

حُسن سے اُس کے، چکا چوند ہوئی آنکھوں میں
ہے اگر کوئی، تو لاؤ تہِ انجُم "ایسا"

وہ جفا کار و ستم پیشہ سہی، پھر بھی نصیر!
لوگ کہتے رہیں، لیکن نہ کہو تُم ایسا

◎

جب وہ محوِ خرام ہوتے ہیں ملتفتِ خاص و عام ہوتے ہیں

صبح ہوتے ہیں ، شام ہوتے ہیں تذکرے تیرے ، عام ہوتے ہیں

مَیں زمانے کو بھول جاتا ہُوں آپ ، جب ہمکلام ہوتے ہیں

قیس اپنی جگہ ، ہم اپنی جگہ اپنے اپنے مقام ہوتے ہیں

جو جھگڑتے ہیں عشق والوں سے وہ اَلَدُّالخِصام ہوتے ہیں

پستیوں پر بھی ہو نظر جن کی وہی عالی مقام ہوتے ہیں

تُو سلامت رہے ، ترے ہاتھوں ہم غریبوں کے کام ہوتے ہیں

موت جس وقت آ پہنچتی ہے سارے قصّے تمام ہوتے ہیں

بزمِ ساقی میں اور کیا واعظ ! رند ہوتے ہیں ، جام ہوتے ہیں

قُرب میں فاصلے بڑھے اِتنے دُور سے اب سلام ہوتے ہیں

مسجدِ عشق میں نصیر ! چلو
حُسن والے ، امام ہوتے ہیں

◎

راستے صاف ، بتاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
لوگ محفل کو سجاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

اہلِ دل گیت یہ گاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
آنکھ رہ رہ کے اُٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

پُھول، شبنم سے نہاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
سَرو بھی جُھومتے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

اُن کے دیوانوں کو سُوجھی ہے یہی ہوش کی بات
شمع، محفل میں جلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

رہگزر میں نظر آتا ہے قیامت کا سماں
فتنے اُٹھ اُٹھ کے بتاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

کاش تعبیر بھی آ جائے کسی روز نظر
آئے دن خواب یہ آتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

اُن کی آمد کی ہے اِک دُھوم صبا کے دَم سے
غنچے یہ شور مچاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

کہکشاں ، راہگزر ، چاند ستارے ، قِندیل
سب چمک کر یہ دکھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

آج تو میری طرف مَست ہَوا کے جھونکے
یہ خبر دُور سے لاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

اُن کے جلووں سے نِکھر جاتی ہے گھر کی رونق
میری تقدیر جگاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

دل کو جلووں کی طلب ، آنکھ ہے مشتاقِ جمال
دیکھئے ، مجھ کو بُلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

مجھ کو بہلانے کی خاطر ، مری تسکیں کے لئے
یہ خبر لوگ اُڑاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

اُن کی آمد کے پیامی ہیں صبا کے جَھونکے
پُھول شاخوں کو ہلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

صبر کی تاب کہاں ، حُسنِ جہاں تاب کہاں
لوگ اب ہوش سے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

چاند تاروں میں نصیؔر آج بڑی ہلچل ہے
یہی آثار بتاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

◎

اُن کے رُخ پر نگاہ کر بیٹھے
ہم بھی خود کو تباہ کر بیٹھے

وہ تباہی خرید لیتا ہے
اُن سے جو رسم و راہ کر بیٹھے

میرا افسانہ اہلِ دل سُن کر
برملا ایک آہ کر بیٹھے

اور ہے بات ہم سے اَوروں کی
آپ کیوں اشتباہ کر بیٹھے

دل محبّت میں کس کی سُنتا ہے
ہم کسے انتباہ کر بیٹھے

ہے ستمگر وہ غیرتِ یُوسفؑ
اور ہم ہیں کہ چاہ کر بیٹھے

تھا مخالف جو اے نصیرؔ ! اپنا
ہم اُسی کو گواہ کر بیٹھے

◎

جمالِ یار تا حدِّ نظر ، دیکھا نہیں جاتا
نظر اُٹھنے کو اُٹھتی ہے ، مگر دیکھا نہیں جاتا

سرِ محفل عَدُو کا شور و شَر دیکھا نہیں جاتا ؟
اِدھر کیا دیکھتے ہو تُم ، اُدھر دیکھا نہیں جاتا ؟

پشیماں تجھ کو اے بیداد گر ! دیکھا نہیں جاتا
اِسی باعث تو آہوں میں اَثر دیکھا نہیں جاتا

بدل دی گردشِ دَوراں نے صُورت ، خانۂ دل کی
ہُوا ہے ایسا بے رونق یہ گھر ، دیکھا نہیں جاتا

مرے غم میں مرے داغِ تمنّا کی جھلک دیکھو
چراغِ طُور روشن ہے ، مگر دیکھا نہیں جاتا

جو بزمِ ناز میں آیا تھا کل مجروح کرنے کو
اُسی سے اب مرا زخمِ جگر دیکھا نہیں جاتا

قَلَم اُس نے کیا ، احسان ہے اُس کا ، عنایت ہے
وبالِ دوش ہو جائے تو سر دیکھا نہیں جاتا

دو عالَم کے علاوہ کوئی عالَم اور ہے شاید
اِن آئینوں میں وہ آئینہ گر ، دیکھا نہیں جاتا

نظر بڑھتی ہے ، لیکن اشک رستہ روک لیتے ہیں
دمِ رخصت اُنہیں اے چشمِ تر ! دیکھا نہیں جاتا

نصیرؔ اُس شوخ کو دل میں بُلا کر شوق سے دیکھو
نظارہ یُوں سہی ، ویسے اگر دیکھا نہیں جاتا

◎

دل جلانے کی بات کرتے ہو　　　تم ستانے کی بات کرتے ہو

میرے حق میں یہ کیا تمہیں سُوجھی　　　آزمانے کی بات کرتے ہو ؟

اے اسیرو ! قفس کی دنیا میں　　　آشیانے کی بات کرتے ہو

عشق والوں کی قدر اور تمہیں　　　کیوں بنانے کی بات کرتے ہو

کچھ عجب سی تمہاری باتیں ہیں　　　جی چھڑانے کی بات کرتے ہو

غم نصیبوں سے اپنے تم ناحق　　　مُسکرانے کی بات کرتے ہو

اشک روکے ہیں میرے دیدۂ تر　　　تم، بہانے کی بات کرتے ہو

تم ہمیشہ وفا شعاروں سے　　　دل دُکھانے کی بات کرتے ہو

آؤ جاؤ گے تم نہ میرے گھر　　　آنے جانے کی بات کرتے ہو

اِس زمانے میں اے نصیرؔ وفا !

کس زمانے کی بات کرتے ہو ؟

◯

کوئی بھی اِس میں قرینہ نہیں وفا کے لئے
ہزار جائزے ہم نے تری ادا کے لئے

حجاب کا یہ تکلّف ، اِک آشنا کے لئے
نظر کے سامنے آجاؤ، اب خدا کے لئے

یہ انتخاب عجب تھا مزاجِ فطرت کا
چُنا ، تو ایک مرا دل تری جفا کے لئے

تری نگاہ کی جُنبش میں ہے مسیحائی
نظر اُٹھا ، کبھی بیمار کی شِفا کے لئے

سفینہ غرق نہ ہو پائے موجِ طُوفاں میں
مدد خدا کی ضروری ہے، ناخدا کے لئے

یہی ہُوا ، کہ پریشان و شرمسار ہیں ہم
گئے تھے بزم میں کیوں عرضِ مدّعا کے لئے

وہ مُنفعل ہیں ستم پر، مُعاف بھی کر دو
نصیؔر بات بڑھاؤ نہ اب خدا کے لئے

◎

اُن کا جلوہ جو عام ہو جائے　　حشر برپا تمام ہو جائے

مُسکرا کر جو دیکھ لیں وہ مجھے　　غم کا قصّہ تمام ہو جائے

یا تو آئیں نہ وہ خیالوں میں　　یا سلام و پیام ہو جائے

تم جو ساغر اُچھال دو کوئی　　مَے کشی، رسمِ عام ہو جائے

دیکھ لیں کاش وہ مری جانب　　کام بن جائے، کام ہو جائے

ذرّہ ذرّہ بنے اِک آئینہ　　جلوۂ یار عام ہو جائے

چشمِ ساقی سے پی مِلا کر آنکھ　　تشنہ کامی تمام ہو جائے

کاش اِس صبحِ زندگی کی نصیرؔ !
کُوئے جاناں میں شام ہو جائے

◎

مَیں اُس کا ، وہ میرا ہو — کاش کبھی تو ایسا ہو
تیرے غم کا سودا ہو — مہنگا ہو یا سَستا ہو
دیکھوں تو مَیں ، تم کیا ہو — میری طرف بھی مکھڑا ہو
اپنے پَرائے ، سب اُس کے — دیکھئے وہ اب کس کا ہو
اُن کا سراپا ایسا ہے — جیسے مَیں نے دیکھا ہو
ایک طرف دل ہو جائے — اُن کا ہو ، یا میرا ہو
جانچ پَرکھ ہے اوروں کی — یہ بھی سوچا ، خود کیا ہو ؟
شبنم کیا ہے گلشن میں — شاید کوئی روتا ہو
لُطف نہیں ، بیداد سہی — ایک نہ ایک تماشا ہو
اُس کا مقدّر کیا کہنا — جس نے اُن کو دیکھا ہو
رُوپ ہیں دونوں آنسو کے — قطرہ ہو ، یا دریا ہو
وہ یہ اکثر کہتے ہیں — ہم سب کچھ ہیں ، تم کیا ہو

کیسی دنیا ، کس کا غم　　اُس کو کیا ، جو اُن کا ہو
مانا ہے تم کو سب نے　　تم داتا ، جگ داتا ہو
جینا مرنا دو دن میں　　کیا جانیں کس دن ، کیا ہو
ہم جُھوٹے ، تُو سچّا ہے　　تیرا دل کیوں مَیلا ہو
کیا دیکھا اُن کو ، جس نے　　دیکھا دیکھی ، دیکھا ہو
آنی جانی دنیا ہے
کوئی نصیر اب کس کا ہو

◎

پھر بہار آ گئی ، رہتا ہے پریشاں کافی
تیرے وحشی کو نہیں صحنِ گلستاں کافی

روشنی کا ہے یہی ہجر میں ساماں کافی
اِس اندھیرے میں ہے اشکِ سرِ مژگاں کافی

علم پُختہ ، ہے نہ اللہ کا عرفاں کافی
یُوں تو ہر سُو نظر آتے ہیں مُسلماں ، کافی

گُل کِھلے خُوب اذیّت کے سرِ دشتِ جُنوں
میرے تلووں میں چُبھے خارِ مُغیلاں کافی

دام و صیّاد کا کھٹکا ہے قیامت ، ورنہ
ذوقِ پرواز کو ہے کُنجِ گلستاں کافی

اَب تو ہر وقت وہ رہتے ہیں نظر میں ، دل میں
ورنہ تھے پہلے پہل مجھ سے گریزاں کافی

بے کسی اور اُداسی کے اندھیرے نہ ڈھلے
چاندنی روئی سرِ گورِ غریباں کافی

اَب ہے احساس اُنہیں بھی مری بربادی کا
سُن رہا ہُوں کہ وہ خود بھی ہیں پریشاں کافی

آنکھ ہو عشق سے روشن، یہی بینائی ہے
چشمِ یعقوبؑ کو تھے یُوسفِ کنعاں کافی

دوستو! آؤ، بس اب فکر کریں ساحل کی
ہو چکا تذکرۂ کشتی و طُوفاں کافی

میرے ہر جُرمِ تمنّا پہ سزا دے مجھ کو
اِس سے پہلے بھی ہیں مجھ پر ترے احساں کافی

مُنتظر دیر سے ہُوں، مان بھی جا، سامنے آ
ہو چکا پردہ اب اے جلوۂ جاناں! کافی

تیرے ایماں کا نصیرؔ اب تو خدا حافظ ہے
گِرد پھرتے ہیں ترے دُشمنِ ایماں، کافی

◎

جن پر بھی ترے کرم رہیں گے — دُنیا میں وہ محتشَم رہیں گے

ہر دم ترے ہمقدم رہیں گے — کوئی نہ رہے گا، ہم رہیں گے

منزل کے لئے سفر سلامت — ہر گام پہ تازہ دَم رہیں گے

اُلجھے سے رہیں گے ہم ہمیشہ — زُلفوں میں تمہاری خم رہیں گے

اللہ سُدھارے قاصدوں کو — جائیں گے جہاں بھی، جم رہیں گے

دو گھونٹ میں کیا مُضایَقہ ہے — وہ شیخ ہیں، محترم رہیں گے

کیوں جائیں اُس آستاں سے ہم لوگ — نزدیک تو کم سے کم رہیں گے

نسبت یہ نصیؔر ہے ازل سے
ہم خاکِ درِ حرم رہیں گے

◎

آئے دن مل کے بچھڑتے ہو ، ادا اچھّی ہے
چاہنا ہی جو خطا ہے ، تو سزا اچھّی ہے

صبحِ غم اچھّی نہ یہ شامِ بلا اچھّی ہے
موت دونوں سے یقیناً ، بخدا ، اچھّی ہے

سب دواؤں سے یہی ایک دوا اچھّی ہے
اُن کے کوچے میں جو آ جائے قضا ، اچھّی ہے

تُو نہ ہو پاس تو دل اِس سے بہل جائے گا
تُو بھی اچّھا ، تری تصویر بھی کیا اچھّی ہے

جب کہا ہم نے کہ ہم سے یہ تکلّف کیسا
نیچی نظروں سے کہا اُس نے ، "حیا اچھّی ہے"

بعد مدّت کے ترے ہاتھ سے پینے کو ملی
اور اے ساقیِ میخانہ پلا ! "اچھّی ہے"

اُن کے در سے جو ملے بھیک ، وہ سب سے بہتر
اُن کے در پر جو صدا ہو ، وہ صدا اچھّی ہے

لے چلو آج مجھے کوچۂ جاناں کی طرف
موسم اچّھا ہے ، رُت اچھّی ہے ، فضا اچھّی ہے

مَیں یہ کہتا ہُوں ، مری آہِ رسا سے ڈریئے
وہ یہ کہتے ہیں ، کہ یہ تیز ہَوا اچھّی ہے

مسکرائے ، جو نظر آئی شبیہِ یُوسفؑ
مَیں نے پُوچھا کہ یہ کیسی ہے ، کہا "اچھّی ہے"

اِتنی گستاخ ! کہ رہتی ہے ترے سر پہ سوار
زُلف کہتے ہیں جسے لوگ ، بلا اچھّی ہے

اچّھے اچّھوں کی ادائیں ہیں نگاہوں میں نصیرؔ !
اُن کا کیا کہنا ! ادا جن کی سِوا اچھّی ہے

◎

وہ دن بھی ہے آنے والا — تڑپے گا، تڑپانے والا
پھر ہے کسی پر آنے والا — دل ہے قیامت ڈھانے والا
دیکھ رہا ہے غور سے اُن کو — آنے والا، جانے والا
مَیں نہ ہٹوں گا دَر سے تیرے — بہکائے، بہکانے والا
بزم میں اُن کی مَیں ہی مَیں ہُوں — چوٹ جگر پر کھانے والا
سانس کا رشتہ ٹُوٹ رہا ہے — کب آئے گا آنے والا
اُن کی بَلا سے، اُن کو کیا غم — مٹ جائے مٹ جانے والا
آنکھوں سے دل میں دَر آیا — وہ کم گو، شرمانے والا
بُھول کر آیا پھر نہ اِدھر کو — بات بنا کر جانے والا
کاش نصیر کوئی مل جاتا
راہ پر اُن کو لانے والا

◎

ہر ادا دُشمنِ دل ، حُسن بھی ، رعنائی بھی
اور پھر اُس پہ غضب ہے تری انگڑائی بھی
اِک قیامت سے نہ کم تھی شبِ تنہائی بھی
ہم تو سو جاتے ، مگر نیند ہمیں آئی بھی ؟
دوستوں سے جو پڑا کام تو معلوم ہُوا
کام آتی نہیں برسوں کی شناسائی بھی
ایک دل کے لئے اُلفت میں ہیں کتنے تحفے
دَرد بھی ، رنج بھی ، آزار بھی ، تنہائی بھی
ہم نے تو پھُولتے پھَلتے نہ کسی کو دیکھا
کشتِ غم ہے ، یہ کسی کو کہیں راس آئی بھی ؟
کیوں نہ شک ہو مجھے ساقی تری فیّاضی پر
چشمِ مخمور سے مجھ کو کبھی پلوائی بھی ؟

کھینچیے دار پہ خود آپ سرِ عام مجھے
ہو جو ایسا، تو ہے منظور یہ رسوائی بھی

کس تکلّف سے کیا اُس نے تماشا اپنا
کس توجّہ سے ہوئی انجمن آرائی بھی

اُن کے جلووں کو سرِ طُور چمکنا ہی پڑا
کتنی رکھتا ہے کشش ایک تماشائی بھی

مَیں تو اُٹھ جاؤں گا محفل سے، مگر یاد رہے
میری رسوائی سے ہوگی تری رسوائی بھی

غیر تو غیر، جَل اُٹّھے ترے اپنے بھی نصیرؔ!
بن گئی ایک مصیبت تری یکتائی بھی

◎

آرزو یہ تھی کہ ہم یُوں اُن کا پیکر دیکھتے
رُو برو لا کر اُنہیں ، اُن کو برابر دیکھتے

دے دیا دل، کیا کیا ہم پہلے تیور دیکھتے
آزماتے ، جانچتے ، اُن کو پرکھ کر دیکھتے

آنکھ والے دیکھتے ہیں دیکھنے کی چیز کو
آپ کو ہم دیکھتے یا آپ کا گھر دیکھتے ؟

عین ممکن تھا کہ ہو جاتا خود اپنے سے بگاڑ
اک نظر تو آئینہ تم بن سنور کر دیکھتے

وادیِ کُہسار میں رونق تمہارے دم سے تھی
دیکھنے والے تمہارے ، خاک پتّھر دیکھتے

زندگی ہم نے گزاری پیرِ میخانہ کے ساتھ
خُم ، سبو، شیشہ، صراحی، جام و ساغر دیکھتے

موت برحق ہے، مگر اپنی سی کوشش چاہیئے
تم سے جو ممکن تھا اے چارہ گرو! کر دیکھتے

محفلِ اغیار تھی، وہ تھے، غضب تھا، قہر تھا
وقت گزرا اِس طرح اُن کو برابر دیکھتے

حضرتِ زاہد بھی ساقیؔ سے مِلا لیتے جو آنکھ
ڈگمگاتا زُہد، توبہ نذرِ ساغر دیکھتے

دُور سے کیا ہو سکے گا اُن کو اندازہ نصیرؔ
میرا عالَم وہ مرے نزدیک آ کر دیکھتے

◎

سکون مِل نہ سکا ، بارِ غم اُٹھا نہ سکے
تمہارے ہو رہے ، اپنا تُمھیں بنا نہ سکے

سحابِ آہ کچھ اِس طرح چھایا اشکوں پر
شبِ فراق یہ تارے بھی جگمگا نہ سکے

بہار کیسی ، خزاں سے اگر ہراساں ہو
کلی وہ کیا ، جو گلستاں میں مسکرا نہ سکے

نظر نظر ترا جلوہ ، نَفَس نَفَس تری یاد
تجھے بُھلانا بھی چاہا تو ہم بُھلا نہ سکے

وہ حرفِ راز ، جو دل خُون کر گیا اپنا
کبھی وہ سُن نہ سکے ، ہم کبھی سُنا نہ سکے

رہے گا یاد یہ طرزِ کرم اَحِبّا کا
مجھے مٹا تو دیا ، غم مرا مٹا نہ سکے

نہیں یہ غم کہ نظر تم نے پھیر لی ہم سے
یہ ایک غم ہے کہ تم ، ہم کو آزما نہ سکے

رہِ وفا میں مرے ہمسفر ہوئے ہیں نصیرؔ
وہ اجنبی ، جو قدم سے قدم مِلا نہ سکے

○

دل ایسے میں بہل جائے گا، دیوانے بہت سے ہیں
سرِ محشر ہمارے جانے پہچانے بہت سے ہیں

تمہیں کس بات کا غم ہے جو دیوانے بہت سے ہیں
ابھی موجود اِس دنیا میں ویرانے بہت سے ہیں

سجی ہے محفلِ ساقی، لگی ہے بھیڑ رندوں کی
شمار آساں نہیں، گردش میں پیمانے بہت سے ہیں

کھٹکتا ہے مرا ہی اک ٹھکانا چشمِ گردوں کو
چمن میں اور بھی تو ایسے کاشانے بہت سے ہیں

غرض مے سے نہیں، کچھ واسطہ ہے چشمِ ساقی سے
خدا کی اِس زمیں پر ورنہ میخانے بہت سے ہیں

بہار آئی ہے ، آؤ ، یہ تماشا دیکھ لیں ہم بھی
جگہ صحرا میں کم ہے ، اور دیوانے بہت سے ہیں

ستائے ، دل دُکھائے ، قہر ڈھائے آسماں ، لیکن
کہیں بھی جا پڑیں گے لوگ ، ویرانے بہت سے ہیں

کہیں عنوان ہے یُوسفؑ ، کہیں عنوان ہے موسٰیؑ
ترے جلووں کے اِس دنیا میں افسانے بہت سے ہیں

سنبھل کر پاؤں رکھ اِس وادیِ پُرخار میں اے دل !
زمانے میں یگانے کم ہیں ، بیگانے بہت سے ہیں

ذرا چل پھر کے دیکھو تو نصیرؔ اُن کی جہاں گیری
وہ ایسے ہیں کہ ہر سُو اُن کے دیوانے بہت سے ہیں

◎

اگر ہنستا ہُوا سیرِ چمن کو وہ نگار آئے
کِھلیں کلیاں، فضا نکھرے، خزاں جائے، بہار آئے

مرا غم اُن سے کہنے کے لئے بے اختیار آئے
زباں خاموش تھی، آنکھوں میں آنسو بار بار آئے

یہ کب چاہا تھا مَیں نے، اِس طرح دَورِ بہار آئے
طلب پھولوں کی تھی، لیکن مرے دامن میں خار آئے

مزا جب ہے اُنہیں یُوں یاد میری بار بار آئے
نہ اِس پہلو قرار آئے نہ اُس پہلو قرار آئے

ترے کوچے میں جاکر آخری بازی بھی ہار آئے
مگر اِتنا ہُوا، اک بوجھ تھا دل پر، اُتار آئے

ہمارا دل، تمہارا وعدۂ فردا برابر ہیں
نہ تم کو اعتبار آیا، نہ ہم کو اعتبار آئے

یہ دیکھا حشر ہم نے اُس گلی میں آنے جانے کا
گئے تھے مسکراتے اور واپس اشکبار آئے

جنابِ شیخ میخانے سے نکلے آدمی ہو کر
وہی انسان بنتا ہے یہاں جو بار بار آئے

غضب ہے اچّھی صُورت دیکھ کر دل کا اٹک جانا
قیامت ہے طبیعت جب کہیں بے اختیار آئے

نصیؔر ادنیٰ اشارہ ہو جو چشمِ مستِ ساقی کا
لُنڈھے بادہ، چلیں ساغر، گھٹا اُٹّھے، بہار آئے

◎

خرابِ گردشِ دوراں ہی رہتے اک زمانے تک
اگر قسمت نہ لے آتی تمہارے آستانے تک
عیادت کو چلے آئیں وہ شاید جان جانے تک
بہر صُورت ہمیں جینا پڑے گا اُن کے آنے تک
پھنسے ہم سادگی سے دامِ ہمشکلِ نشیمن میں
یہی ہے داستاں اپنی قفس سے آشیانے تک
فراقِ دوست بھی طُرفہ کرم ہے، گر کوئی سمجھے
ہے تصویرِ وفا میں رنگ، حالِ دل سنانے تک
مری ہی ذات سے قائم ہے یہ ہنگامۂ ہستی
رہے گی گردشِ چرخِ کہن میرے مٹانے تک
بہاروں میں بھی دل کو ایک دھڑکا سا رہا ہر دم
بچھا تھا ہر روش پر دام میرے آشیانے تک

یہی محرومیاں ہیں، زندگی جن سے عبارت ہے
جیئے جاتے ہیں اہلِ دل مقدّر آزمانے تک

غنیمت ہے کہ اب تک بات ہونٹوں تک نہیں آئی
چلے بھی آؤ! ورنہ بات پہنچے گی زمانے تک

نگاہیں در پہ، کان آہٹ پہ، دھڑکن تیز، لب ساکت
نہیں معلوم دل کا کیا بنے قاصد کے آنے تک

نصیرؔ اُس بزم میں جب قیس کے قصّے کا ذکر آیا
وفا کے سلسلے جوڑے گئے میرے فسانے تک

◎

جب تک جہاں میں گردشِ چرخِ کُہن رہے
تاباں ترے جمال سے یہ انجمن رہے

زیبا ہے سروری تمھیں خُوبانِ دہر کی
زیرِ نگیں تمھارے زمین و زَمن رہے

یہ ناز ، یہ ادا ، یہ کرشمے ، یہ دلبری
قائم ہمیشہ تجھ میں یہی بانکپن رہے

اوجِ کمال پر ہو ترا نیّرِ جمال
جب تک زمیں پہ گُنبدِ چرخِ کُہن رہے

دنیا کے میکدے میں تھے پیمانۂ تہی
محرومِ لُطفِ ساقیِ پیماں شکن رہے

گزرے نصیؔر عُمرِ رواں اِس ادا کے ساتھ
دریائے ذوق و شوق ترا موجزن رہے

◎

زُلف کی اوٹ سے چمکے وہ جبیں تھوڑی سی
دیکھ لُوں کاش ! جھلک مَیں بھی کہیں تھوڑی سی

میکدہ دُور ہے ، مسجد کے قریں ، تھوڑی سی
میرے ساقی ہو عطا مجھ کو یہیں تھوڑی سی

ناخوشی کم ہو ، تو ہوتا ہے خوشی کا دھوکا
جھلکیاں "ہاں" کی دِکھاتی ہے "نہیں" تھوڑی سی

پھر مِرے سامنے آ ، اور حجابات اُٹھا
زحمتِ جلوہ پھر اے پردہ نشیں ! تھوڑی سی

اُن کی ہر بات پہ میرا سرِ تسلیم ہے خَم
ہر اشارے پہ جُھکاتا ہُوں جبیں تھوڑی سی

مَیں یہ سمجھوں کہ مجھے مِل گئی جنّت میں جگہ
اُن کے کُوچے میں جو مِل جائے زمیں تھوڑی سی

صحنِ گلشن ہے ، گُل و لالہ ہیں پیمانہ بہ دست
مِل کے پی لیتے ہیں اب آؤ یہیں، تھوڑی سی

اُن کی قُربت کا وہ لمحہ ہی بہت ہے مجھ کو
گفتگو اُن سے ہُوئی تھی جو کہیں تھوڑی سی

ساقیِ بزم ! اِدھر بھی ہو اُچٹتی سی نظر
ہے طلب مَے کی ، زیادہ تو نہیں "تھوڑی سی"

یُوں بھی وہ ایک قیامت ہے دل و جاں کے لئے
جانے کیا ہو ، جو مروّت ہو کہیں تھوڑی سی

عاقبت کوچۂ جاناں سے ہے وابستہ نصیرؔ !
یار سے ہم نے بھی مانگی ہے زمیں، تھوڑی سی

◎

تیرگی میں اک ستارا چاہیئے مجھ کو داغِ غم تمہارا چاہیئے

چشمِ ساقی کا اشارا چاہیئے بے سہارا ہُوں، سہارا چاہیئے

ناخدا! طوفان جانے اور تُو میری کشتی کو کنارا چاہیئے

ہم تمہارے واسطے ہیں بیقرار پاس تم کو بھی ہمارا چاہیئے

خود شناسی جن کے مسلک میں نہیں ایسے لوگوں سے کنارا چاہیئے

جان سے جانا، نہیں مردانگی عشق میں جینے کا یارا چاہیئے

اب نصیرؔ اُٹھ کر نہ جائے گا کہیں
بس اُسے تو در تمہارا چاہیئے

◎

زمانہ گریۂ پیہم سے ڈر ہی جاتا ہے
کبھی تو سَر سے یہ پانی گزر ہی جاتا ہے
وفورِ شوق میں جی سے گزر ہی جاتا ہے
حَسیں ہو شکل، تو انسان مر ہی جاتا ہے
وہ کُشتگانِ محبّت ہیں ہم، کہ اپنا غُبار
جِدھر وہ ہوتے ہیں، اُڑ کر اُدھر ہی جاتا ہے
مرے بدن میں لگاتا ہے آگ سی واعظ
جلی کٹی یہ کوئی بات کر ہی جاتا ہے
وہ بے وفا ہے، مگر سنگ دل نہیں پھر بھی
مرے ملال سے چہرہ اُتر ہی جاتا ہے
رُلا گئی مجھے ترکِ تعلّقات کی بات
یہ مرحلہ ہو تو انسان ڈر ہی جاتا ہے

نگاہِ ناز کی زد سے کوئی بچا ہی نہیں
یہ تیر وہ ہے کہ دل میں اُتر ہی جاتا ہے
گزار دیتے ہیں ہنس کر گزارنے والے
نصیرؔ ! وقت کا کیا ہے، گزر ہی جاتا ہے

◎

کسی کو ہجر تڑپائے تمھیں کیا — جیے کوئی، کہ مر جائے، تمھیں کیا
قیامت بھی اگر آئے تمھیں کیا — کوئی سُولی پہ چڑھ جائے تمھیں کیا
تمھاری جلوہ سامانی، سلامت ! — زمانے پر غضب آئے تمھیں کیا
بہ صد ناز و ادا گیسو بکھیرو — اندھیرا ہر طرف چھائے تمھیں کیا
محبّت کو نہ تم سمجھو، نہ جانو — محبّت ہم کو تڑپائے تمھیں کیا
تمھارا مشغلہ، مشقِ تغافل — کسی کے دَم پہ بن جائے تمھیں کیا
حریمِ ناز میں بیٹھے رہو تم — زمانہ ٹھوکریں کھائے تمھیں کیا
زمانے بھر کی چھانی خاک ہم نے — اِدھر بھی ہم چلے آئے، تمھیں کیا
تمھیں محفل سجا لینے سے مطلب — کوئی آئے، کوئی جائے تمھیں کیا

نصیرؔ آہ و فغاں سے باز آؤ
سمجھتے ہوں گے ہمسائے تمھیں کیا

◎

چمن سے نکلے، تو صحرا میں آئے دیوانے
جو اِن کے دل میں ہے، یہ جانیں یا خدا جانے

گُزر رہی ہے جو مجھ پر، وہ کوئی کیا جانے
زباں کُھلی، تو بنائیں گے لوگ افسانے

نہیں ہیں اشک، مرے دل کے ترجمان ہیں یہ
مچل رہے ہیں مری چشمِ تر میں افسانے

جو خیر چاہیں، پلٹ جائیں، حضرتِ ناصح
بڑے کہیں کے یہ آئے ہیں مجھ کو سمجھانے

زمانہ ہو گیا توبہ کیئے ہوئے، لیکن
نظر میں جُھومتے رہتے ہیں اب بھی میخانے

خود اپنی آگ میں جلتے، تو ایک بات بھی تھی
پَرائی آگ میں جلتے ہیں آ کے پروانے

تمام حشر کا میدان ہم نے چھان لیا
نہ یار دوست ، نہ چہرے وہ جانے پہچانے

نظر میں اُن کی رہے قبر کا اندھیرا بھی
تجلّیوں سے سجائیں جو اپنے کاشانے

وہ اور ہیں جنہیں مِلتی ہے قُرب کی عزّت
ہم آئے تھے ترے کُوچے میں ٹھوکریں کھانے

مقابل آ کے نگاہیں نہ اُٹھ سکیں اُس کی
نصیر! آیا تھا اک شخص تیر برسانے

◎

ہم پیکرِ جاناں کی دل پر تصویر اُتارا کرتے ہیں
فُرقت میں یہ قُربت کا عالَم، ہر وقت نظارا کرتے ہیں

دُنیائے محبّت میں دونوں، یُوں وقت گزارا کرتے ہیں
تم ذکر ہمارا کرتے ہو، ہم ذکر تمہارا کرتے ہیں

ہاں، اُن کی طلب میں جب بھی ملے، جو کچھ بھی ملے، سر آنکھوں پر
دُکھ، دَرد، مُصیبت، غم، صدمہ، ہر چیز گوارا کرتے ہیں

اُس دامِ بَلا کے حلقوں میں، دل ہے کہ اُلجھتا رہتا ہے
وہ سامنے رکھ کر آئینہ، جب زُلف سنوارا کرتے ہیں

فُرقت کا مداوا آج نہ کل، بس وعدۂ فردا آئے دن
مرنے کا سبب بن کر گویا، جینے کا اشارا کرتے ہیں

گھنگھور گھٹاؤں کا موسم کوئل کی یہ کُو کُو پیہم
ساون کی چھما چھم جھڑیوں میں ، ہم تم کو پکارا کرتے ہیں

یہ عشق و وفا کی دُنیا ہے ، ہم عشق و وفا کی دُنیا میں
کرتے ہیں بسر انگاروں پر ، کانٹوں میں گزارا کرتے ہیں

دل پر ہی فقط موقوف نہیں ، ہر شَے پہ تصرُّف ہے اُن کا
کونین کا رُخ پھر جاتا ہے ، جس دَم وہ اشارا کرتے ہیں

جو ہم سے خفا ، ہم اُن پہ فدا ، یہ پِیت کی دیکھی رِیت نئی
ہم اُن کے سبب دیوانے ہیں ، جو ہم سے کنارا کرتے ہیں

اُلفت بھی انوکھی بازی ہے ، چال اِس کی نصیؔر اُلٹی پُلٹی
وہ ہار کے جیتا کرتے ہیں ، ہم جیت کے ہارا کرتے ہیں

◎

حقیقت اور ہی کچھ ہے ، مگر ہم کیا سمجھتے ہیں
جو اپنا ہو نہیں سکتا ، اُسے اپنا سمجھتے ہیں

یہ درسِ اوّلیں مجھ کو مِلا اپنے بزرگوں سے
بہت چھوٹے ہیں وہ ، اوروں کو جو چھوٹا سمجھتے ہیں

نہ جانے کیوں ہماری اُن کی اک پل بھی نہیں بنتی
جو اپنا قبلۂ دل ، دولتِ دنیا سمجھتے ہیں

اُمیدِ التفاتِ دوستاں نے راز یہ کھولا
ہم اُن کو کیا سمجھتے تھے ، وہ ہم کو کیا سمجھتے ہیں

بہ ہر دَم ایک نادیدہ مَعیّت سے مُشرّف ہُوں
غلط فہمی ہے اُن کی ، جو مجھے تنہا سمجھتے ہیں

اُن اہلِ فقر کی اِس شانِ استغنا کا کیا کہنا
جو تاجِ خُسروی کو خاکِ زیرِ پا سمجھتے ہیں

کسی کے حرفِ حق کا ہو سکے قائل تُو اے واعظ !
ترے حق میں اِسے ہم کوششِ بے جا سمجھتے ہیں
خدا و مصطفیٰ سے ہٹ کے ، وہ ہیں سخت دھوکے میں
جو اپنی ذات کو تنقید سے بالا سمجھتے ہیں
بُرے ، اچّھوں کو بھی اچّھا نہیں گردانتے ، لیکن
جو اچّھے ہیں ، بُرے لوگوں کو بھی اچّھا سمجھتے ہیں
اِسی کے دَم سے رونق ہے نصیرؔ اِس بزمِ عالَم میں
جمالِ یار کو ہم انجمن آرا سمجھتے ہیں

◎

مِلنے کی خوشی تھی تو بچھڑ جانے کا غم بھی
دُنیائے محبّت میں کوئی چیز تھے ہم بھی
کم ہوگی کسی دن یہ تری مشقِ ستم بھی ؟
اے حُسنِ ستم کیش ! کبھی مجھ پہ کرم بھی
وہ لُطفِ مجسّم بھی ، سراپائے ستم بھی
سب رُوپ اُسی کے ہیں ، خدا بھی ہے ، صنم بھی
اچّھا ہے مرے دل کو وہ لے جائیں اُڑا کر
کم بخت کسی طَور سے یہ دَرد ہو کم بھی
کہتے ہیں کہ کیا آئیں ، ترا گھر ہے بہت دُور
دُشوار ہیں اِس راہ میں دو چار قدم بھی
دل دامِ محبّت میں گرفتار ہُوا ہے
ہیں حلقۂ زنجیر تری زُلف کے خَم بھی

ساقی ! تری اِس وسعتِ اَخلاق پہ قرباں
اِک گوشے میں بیٹھے ہیں یہاں شیخِ حرم بھی

اب آپ کی باتوں پہ یقیں آئے تو کیوں کر
ہیں حرفِ غلط آپ کے وعدے بھی ، قسَم بھی

ہے جامِ سفالیں ہی مرے واسطے اچھّا
منظور نہیں دل کے عِوَض ساغرِ جَم بھی

کہتے ہیں نصیؔر اہلِ نظر دیکھ کے مجھ کو
اِس گُزرے زمانے میں غنیمت ہے یہ دَم بھی

◎

اذیّت ، دَرد ، دُکھ ، بوتے ہیں کانٹے
مرے اللہ ! کیوں ہوتے ہیں کانٹے

گُلوں کی گود میں سوتے ہیں کانٹے
مئے شبنم سے منہ دھوتے ہیں کانٹے

چمن کو دیکھئے ہر زاویے سے
کہیں گُل ہیں ، کہیں ہوتے ہیں کانٹے

کسی کی راہ میں کانٹے جو بوئیں
وہ اپنی راہ میں بوتے ہیں کانٹے

گُلوں کی مُسکراہٹ پر نہ جاؤ
پسِ منظر چُھپے ہوتے ہیں کانٹے

سَجا کر نوک پر شبنم کی بُوندیں
دِکھاوے کے لئے روتے ہیں کانٹے

خوشی میں جو کِھلیں غنچوں کی صُورت
وہ غم میں سُوکھ کر ہوتے ہیں کانٹے
ہمیں کیا "آپ جانیں غیر جانے"
وہی کاٹیں گے، جو بوتے ہیں کانٹے
گُلوں کے ذِکر میں رہتے ہیں شامل
نہیں معلوم، کیا ہوتے ہیں کانٹے
یہی ہے اِن کے افسانے کی سُرخی
لہو پی کر لہو روتے ہیں کانٹے
نصیرؔ! اِن حاسدوں پر کیا تعجّب
جہاں گُل ہو، وہاں ہوتے ہیں کانٹے

◎

رنگ چڑھنے لگا اِن پر بھی صنم خانوں کا
اب تو اللہ نگہباں ہے مُسلمانوں کا

فصلِ گُل آتے ہی یہ رنگ ہے دیوانوں کا
ہوش باقی نہ رہا اِن کو گریبانوں کا

حُسن بڑھ جائے نہ کیوں خیر سے ویرانوں کا
اب تو ڈیرا ہے یہیں آپ کے دیوانوں کا

کیوں نظر آتے ہیں ہر گام پہ اُلجھے اُلجھے
حال پوچھے تو کوئی اُن کے پریشانوں کا

جنگ ہر حال میں اک فتنۂ دوراں ہی رہی
خُون بہتا ہی رہا مفت میں انسانوں کا

یُوں پئے مشقِ خرام آپ کہاں آ پہنچے
دیکھئے ! دیکھئے ! دل شہر ہے ارمانوں کا

جب ہوئی دیدۂ ساقی کو ذرا سی گردش
جَم سکا رنگ نہ چلتے ہوئے پیمانوں کا

یہ ترا رنگِ حنا بھی ہے قیامت ظالم
خُون ہے دل کا، لہو ہے مرے ارمانوں کا

انجمن تک یہ کسی طَور نہ جانے دیں گے
ہم نے رُخ بھانپ لیا اُن کے نگہبانوں کا

دُھن کا پکّا ہے، مگر ساغرِ مَے سے پہلے
شیخ سے بچ! کہ یہ کچّا ہے بہت کانوں کا

آگ ٹھنڈک ہو، یہ اللہ کی قدرت ہے نصیؔر
شمع جلتی ہے تو دل بڑھتا ہے پروانوں کا

◎

کیا دل مرا نہیں تھا تمہارا ' جواب دو
برباد کیوں کیا ہے ؟ خدا را جواب دو
کیا تم نہیں ہمارا سہارا ' جواب دو
آنکھیں مِلاؤ ' ہم کو ہمارا جواب دو
کل سے مراد صبحِ قیامت سہی ' مگر
اب تم کہاں مِلو گے دوبارا ' جواب دو
چہرہ اُداس، اشک رواں، دل ہے بے سکوں
میرا قصُور ہے کہ تمہارا ؟ جواب دو
دیکھا جو شرمسار ' اُلٹ دی بساطِ شوق
یُوں تم سے کوئی جیت کے ہارا ؟ جواب دو
مَیں ہو گیا تباہ تمہارے ہی سامنے
کیوں کر کیا یہ تم نے گوارا ؟ جواب دو

تم ناخدا تھے ، اور تلاطُم سے آشنا
کشتی کو کیوں مِلا نہ کنارا ؟ جواب دو

شام آئی ، شب گزر گئی ، آخر سَحَر ہوئی
تم نے کہاں یہ وقت گزارا ؟ جواب دو

لو تم کو بھی بلانے لگے ہیں نصیرؔ وہ
بولو ارادہ کیا ہے تمہارا ، جواب دو؟

◎

اپنے سَر کیوں غیر کا احسان لو
خود پرکھ لو، مجھ کو تم، پہچان لو

تم پہ صدقے، جان لو، ایمان لو
ہاں، مگر ہم کو تو اپنا جان لو

جانتے تو ہو، ہمیں پہچان لو
مان لو! کہنا ہمارا مان لو

ہم تمہارے تھے، تمہارے ہی رہے
تم کبھی اپنا ہمیں گردان لو

اَشک اُمڈ آئے ہیں اُن کے رُوبرو
آ گئے بے وقت کے مہمان "لو"

ہو سکے تم سے، تو سُن لو ایک بات
یہ نہیں کہتا کہ "میری مان لو"

وہ سرِ بالیں نہ آئیں گے نصیرؔ!
وقت آ پہنچا ہے، لمبی تان لو

◎

چُپکے چُپکے یہ مری گھات میں کون آتا ہے
تم نہیں ہو ، تو کہو رات میں کون آتا ہے

ہم نہ آئیں تو خرابات میں کون آتا ہے
اور پھر ایسی گھنی رات میں کون آتا ہے

یہ مری سادہ دلی ہے کہ مِٹا ہوں تُجھ پر
اے ستم پیشہ ! تری بات میں کون آتا ہے

چشمِ دیدار طلب ! جانچ ، پرکھ ، دیکھ ، سمجھ
سامنے تیرے ، حجابات میں کون آتا ہے

دشتِ غُربت میں کہاں پُرسشِ احوال کی بات
دن میں آیا نہ کوئی ، رات میں کون آتا ہے

سانس کی سینے میں آمد ہے ، کہ اُن کی آہٹ
دیکھنا ! دل کے مضافات میں کون آتا ہے

مِل گیا اُن کو نہ آنے کا یہ حیلہ اچّھا
گھر سے باہر بھری برسات میں کون آتا ہے

کون مانے گا کہ جنّت تری جاگیر ہوئی
چھوڑ واعظ ! تری اِس بات میں کون آتا ہے ؟

دل میں تُو ، ذہن میں تُو ، فکر تری ، ذکر ترا
جُز ترے ، اور خیالات میں کون آتا ہے

مِٹ گیا نَقشِ دُوئی عکسِ تجلّی سے نصیؔر
اب نظر آئنۂ ذات میں کون آتا ہے

◎

تمھیں اپنا بنانا چاہتا ہوں مقدّر آزمانا چاہتا ہوں

یہی بس اک مقامِ عافیت ہے ترے دل میں ٹھکانا چاہتا ہوں

تصوّر شرط ہے، آؤ نہ آؤ مگر مَیں تو بلانا چاہتا ہوں

وہی بیگانہ مجھ سے ہو رہا ہے جسے اپنا بنانا چاہتا ہوں

مآلِ دل پہ بھر آتی ہیں آنکھیں اگر مَیں مُسکرانا چاہتا ہوں

کبھی دانستہ مَیں کانٹوں سے اُلجھا کبھی دامن بچانا چاہتا ہوں

حیاتِ جاوداں آتی ہے آڑے جو مَیں خود کو مِٹانا چاہتا ہوں

خدا محفوظ رکھّے ناخدا سے بس اب مَیں ڈوب جانا چاہتا ہوں

نصیرؔ آیا ہوں جس محفل سے اُٹھ کر
اُسی محفل میں جانا چاہتا ہوں

◎

چمکتے ہیں جو داغِ دل وہ مٹ جایا نہیں کرتے
اُمنگوں کے دیئے اُلفت میں کجلایا نہیں کرتے
اُسی دل کش ادا سے سامنے آیا نہیں کرتے
تم اب کیوں مُسکرا کر پھول برسایا نہیں کرتے
وہ اِک ہم ہیں جنہیں عرضِ وفا پر بھی حیا آئے
وہ اِک تم ہو جفاؤں سے بھی شرمایا نہیں کرتے
بہارِ جاوداں حاصل ہے میرے دل کے داغوں کو
یہ وہ گُل ہیں خزاں میں بھی جو مُرجھایا نہیں کرتے
تم اپنے چاہنے والوں کو تسکیں دو، تسلّی دو
کرم کرتے ہیں چاہت میں، ستم ڈھایا نہیں کرتے
مُلاقاتیں نہ ہوں، اِتنا تعلّق تو رہے باقی
کوئی پیغام ہی آئے جو خود آیا نہیں کرتے

تمہارے وعدۂ فردا کا مجھ کو اعتبار آیا
سُنا ہے تم کبھی جھوٹی قَسَم کھایا نہیں کرتے

جمی ہے محفلِ احباب، یہ گھڑیاں غنیمت ہیں
خدا شاہد یہ لمحے بار بار آیا نہیں کرتے

جنابِ شیخ سے ہے مختلف اپنی قَدَح نوشی
کہ ہم پی کر بہک جاتے ہیں، بہکایا نہیں کرتے

نصیرؔ اِس کوچۂ اُلفت میں رُسوائی بھی ہوتی ہے
مصیبت آ پڑے سر پر تو گھبرایا نہیں کرتے

◎

جو دُور ہو تم تو لمحہ لمحہ، غضب میں ہے اِضطراب میں ہے
ابھی مقدّر میں گردشیں ہیں، ابھی سِتارا عذاب میں ہے

لڑکپن اب ہو چکا ہے رُخصت، کوئی جہانِ شباب میں ہے
تجلّیاں ہیں کہ بے مَحابا، ہزار چہرہ نقاب میں ہے

نہیں ہے تیری مثال ساقی! یہ تجھ میں دیکھا کمال ساقی
عجیب کیف و سُرور و مستی، تری نظر کی شراب میں ہے

نظر کو ہے وہ مقام حاصل کہ ہر جگہ ہے جمالِ کامل
نہ اُن کا جلوہ نقاب میں تھا، نہ اُن کا جلوہ نقاب میں ہے

فریب خوردہ سہی نگاہیں، کُھلی ہیں اِن پر خرد کی راہیں
خراب حالی کا دَور دَورہ جو تھا جہانِ خراب میں، ہے

اُس انجمن کی فضا میں رہ کر، سکون کیوں کر رہے میسّر
ابھی تو وہ آزما رہا ہے، ابھی تو یہ دل عتاب میں ہے

بہیں جو اشکِ فراق و حسرت، تڑپ کے رہ جائے ساری خلقت
غضب کا طوفانِ دَرد پنہاں، ہماری چشمِ پُر آب میں ہے

تری وہ پہلی نظر کا چَرکا، تعلّق اُس سے ہے عُمر بھر کا
بڑے مزے کی خلش ہے دل میں، بڑا مزا اضطراب میں ہے

وفا کی راہوں سے ہٹ گئے وہ، جفا کی جانب، پَلٹ گئے وہ
نصیرؔ اب کس شمار میں ہے، نصیرؔ اب کس حساب میں ہے

◎

وہ تو بس وعدۂ دیدار سے بہلانا تھا
ہم کو آنا تھا یقیں، اُن کو مُکر جانا تھا

تم نہیں آئے تو پھر اور کسے آنا تھا
مَیں تھا یا شمع تھی، یا بزم میں پروانا تھا

کیا ہُوا دل جو مٹا، ہم کو نہ پچھتانا تھا
حُسن والوں سے بڑی دیر کا یارانا تھا

لاکھ ٹھکرایا ہمیں تُو نے، مگر ہم نہ ٹلے
تیرے قدموں سے الگ ہو کے کہاں جانا تھا

جن سے نیکی کی توقّع ہو وہی نام دھریں
ایک یہ وقت بھی قسمت میں مری آنا تھا

برہمی ترکِ تعلّق کا بہانہ تو نہ ہو
وہ تو نادان ابھی ہیں، اُنہیں سمجھانا تھا

نزع کے وقت تو دُشمن بھی چلے آتے ہیں
ایسے عالم میں تو ظالم تجھے آ جانا تھا

حُسن سے عشق کی باتیں بھی ہوئی تھیں اک دن
ہم نے اُس شوخ کو، اُس نے ہمیں پہچانا تھا

شکوۂ جَور بھی ہے سلسلۂ راز و نیاز
ہم کو ہونا تھا پشیماں، اُنہیں شرمانا تھا

بے سبب ترکِ تعلّق کا بڑا رنج ہُوا
لاکھ رنجش سہی، اک عُمر کا یارانا تھا

عُمر جب بیت چلی تو یہ کُھلا راز نصیرؔ !
حُسن ناراض نہ تھا، عشق کو تڑپانا تھا

◎

خود فریبی ہی سہی ، یُوں دل کو بہلاتا ہوں مَیں
قصّہَ غم کون سُنتا ہے ، کہے جاتا ہوں مَیں

جب بھی تنہائی کے سنّاٹوں سے گھبراتا ہوں مَیں
بس تمہاری بزم میں اُٹھ کر چلا آتا ہوں مَیں

دولتِ کونین سے دل کو غنی پاتا ہوں مَیں
اُن کا صدقہ مِل رہا ہے ، جن کا کھلاتا ہوں مَیں

مجھ کو تو مضبوط اک عہدِ وفا درکار ہے
آپ سمجھے ریت کی دیوار چُنواتا ہوں مَیں

باتوں باتوں میں گُزر جاتی ہے غم کی رات یُوں
مجھ کو سمجھاتا ہے دل ، تو دل کو سمجھاتا ہوں مَیں

فکر تو یہ ہے کہ آپ اِس شوق میں رُسوا نہ ہوں
ظُلم مجھ پر آپ فرماتے ہیں ، شرماتا ہوں مَیں

حضرتِ واعظ کا مجھ جیسے سے مشکل ہے نباہ
ایسے ویسے بے تُکے لوگوں سے کتراتا ہوں مَیں

یہ تو وہ جانے کہ جس کے دل پہ بیتی ہو کبھی
آپ برہم ہیں، تو محفل سے چلا جاتا ہوں مَیں

یہ کسی کی زُلفِ شبگُوں کا تصرُّف ہے نصیؔر
جب کہیں جاتا ہُوں، محفل میں، تو چھا جاتا ہُوں مَیں

◎

جو آستاں سے ترے لَو لگائے بیٹھے ہیں
خدا گواہ ، وہ دنیا پہ چھائے بیٹھے ہیں

چمک رہی ہیں جبینیں ترے فقیروں کی
تجلّیات کے سہرے سجائے بیٹھے ہیں

خدا کے واسطے اب کھول اُن پہ بابِ عطا
جو دیر سے تری چوکھٹ پہ آئے بیٹھے ہیں

جلائے گی اُنہیں اب کیا چمن میں برقِ فلک
جو آشیانۂ ہستی جلائے بیٹھے ہیں

بڑے بڑوں کے سَروں سے اُتر رہا ہے خُمار
وہ آج خیر سے محفل پہ چھائے بیٹھے ہیں

جہاں بھی جایئے اُن کے ستم کا چرچا ہے
وہ ساری خلق میں طوفاں اُٹھائے بیٹھے ہیں

مجال ہے جو کوئی لب ہلے سرِ محفل
وہ ایک ایک کو آنکھیں دِکھائے بیٹھے ہیں

یہ ایک ہم ہیں کہ اپنوں کے دل نہ جیت سکے
وہ دشمنوں کو بھی اپنا بنائے بیٹھے ہیں

اجل بھی ہم کو اُٹھانے پہ اب نہیں قادر
یہاں ہم آج کسی کے بٹھائے بیٹھے ہیں

وفا کے نام پہ، دشمن کا امتحاں بھی سہی
کہ دوستوں کو تو ہم آزمائے بیٹھے ہیں

نصیرؔ ! ہم میں تو اپنوں کی کوئی بات نہیں
کرم ہے اُن کا، جو اپنا بنائے بیٹھے ہیں

◎

آفت ہے شبِ غم کی سیاہی کا اثر بھی
دُھندلے سے نظر آتے ہیں انوارِ سَحَر بھی

دل ہی نہیں، تصویر ہے غم کی مرا گھر بھی
حالات کا آئینہ ہیں دیوار بھی ، در بھی

ہاں، صدقِ طلب آپ ہی تمہیدِ کرم ہے
نکلے جو دُعا دل سے تو کرتی ہے اثر بھی

ہم بھی ہیں طلب گار، تری بزم سلامت
ساقی ! ترے قربان، کوئی جام اِدھر بھی

مانا کہ حیا آنکھ مِلانے نہیں دیتی
ممکن نہیں کیا ایک عنایت کی نظر بھی ؟

اے دوست ! کرم تو نہیں یہ وعدہ کرم کا
کہتا ہے اگر مُنہ سے کوئی بات تو کر بھی

صورت ہی نصیؔر ایسی طرح دار مِلی ہے
ہم ہی نہیں، تکتے ہیں اُنھیں شمس و قمر بھی

◎

ہر اک منظر اب تو سرابوں جیسا لگتا ہے
اِس صحرا کے آگے بھی اک صحرا لگتا ہے
اُجڑی گلیاں، ویراں منظر، سہمے سہمے لوگ
تم ہی بتاؤ کام یہ آخر کس کا لگتا ہے
خُوگرِ ظلم و ستم پر اُن کے لطف کی یہ برکھا
رُت ہی بدل جائے گی اب تو ایسا لگتا ہے
سورج نگری، چاند بسیرا، تاروں کا مسکن
میرا گھر اُن کے آنے پر کیا کیا لگتا ہے
واصلِ حق مظہر بن جاتا ہے ذاتِ حق کا
جب قطرہ دریا میں پہنچے، دریا لگتا ہے
پہلے تنہائی کی ناگن ڈستی ہے برسوں
پھر جا کر دل کے آنگن میں میلا لگتا ہے
کوئی کہے کچھ، ہم تو برابر آئیں جائیں گے
اُن کی گلی میں آنا جانا اچّھا لگتا ہے

میری رسوائی کی عالمگیر ہے یہ تحریک
یہ منصوبہ مجھ کو سوچا سمجھا لگتا ہے
ایک اکائی ایسی جس میں گم سارے اعداد
سب میں بیٹھ کے بھی وہ ظالم تنہا لگتا ہے
سَر کو جُھکا کر آؤ نیچے دروازوں سے تم
سَر نہ جُھکایا جائے تو دروازا لگتا ہے
اہلِ نفاق بدل لیتے ہیں حسبِ ضرورت رُوپ
آئینہ جس کے سامنے آئے، اُس کا لگتا ہے
قطروں کے مرہونِ مِنّت دریاؤں کے شور
قطروں ہی کے بَل پر دریا، دریا لگتا ہے
اپنی مٹّی سے رغبت فطرت ہے مسافر کی
پانی ساحل کے پہلو سے جا جا لگتا ہے
دل پر اپنوں نے کچھ زخم لگائے ہیں ایسے
اپنا کسی کو کہنے میں اب ڈر سا لگتا ہے
کتنے ظلم کے سُورج نکلے، چمکے، ڈوب گئے
تُو تو نصیؔر کسی کے زیرِ سایا لگتا ہے

◎

دشت میں آئے تو جیتے جی نہ دیوانے گئے
یہ وہیں ٹھہرے، زمانے بھر میں افسانے گئے
شیخ جی چوری چھپے کل رات، میخانے گئے
اِس قدر چہرہ تھا نورانی کہ پہچانے گئے
اُس نے جو کچھ بھی کہا، ہم نے سُنا، مانے گئے
بے وفا پھر بھی رہے، خود سر ہی گردانے گئے
حضرتِ ناصح کی دانائی کا چرچا تھا بہت
ہائے نادانی، کہ دیوانے کو سمجھانے گئے
ایک مَیں تھا جس کو بزمِ ناز میں روکا گیا
بات تو یُوں ہے، وہاں سب جانے پہچانے، گئے
دوستوں نے زندگی بھر جو بھی کرنا تھا، کیا
یہ بھی کیا کم ہے، لَحَد تک ہم کو پہنچانے گئے

رہروِ راہِ طلب نے ٹھوکریں کھائیں بہت
آپ کے نقشِ قدم مشکل سے پہچانے گئے

بُوالہوس چلتے بنے جب بزم میں آئے نصیر
شُکر کی جا ہے ، یگانے آئے ، بیگانے گئے

◎

آئے ہیں ہم سے پہلے کچھ انسان اور بھی
صحرا میں اُڑ رہے ہیں گریبان اور بھی

شکوے کے بعد دل ہے پریشان اور بھی
آفت میں آگئی ہے مری جان اور بھی

کہتے ہیں دل میں آ کے کسی کی نظر کے تیر
آئیں گے اِس مکان میں مہمان اور بھی

تہذیبِ نَو نے سحر جگائے کچھ اِس طرح
برباد ہو کے رہ گئے انسان اور بھی

بہتر ہے گیسوؤں سے نہ ہو اُن کی چھیڑ چھاڑ
سُلجھائیں گے تو ہوں گے پریشان اور بھی

اُن کا خیال ، برقِ سُکوں سوز بن گیا
دل میں مچل گئے ، مرے ارمان اور بھی

کانٹوں سے ہی نہیں ہیں گُلوں کو شکایتیں
گُلچیں ہے ایک باعثِ ہیجان اور بھی

تم نے تو بخش دی ہے نئی زندگی مجھے
ہو جائے اک نگاہ کا احسان اور بھی

مَیں ہی نہیں نصیرؔ فدا اُس کے حُسن پر
میری طرح فدا ہیں کچھ انسان اور بھی

◎

آج میخانے میں نیّت مری بھر جانے دے
بادۂ ناب کے ساقی مجھے پیمانے دے
کس کو معلوم کہ کل کون رہے گا زندہ
آج رِندوں کو ذرا پی کے بہک جانے دے
دیکھ اے دل ! کہ نہ آنچ آئے وفا پر کوئی
جو بھی آتی ہے مصیبت مرے سَر، آنے دے
تجھ سے بھی دست و گریباں کبھی ہوگا واعظ !
وحشیِ عشق کو رنگ اور ذرا لانے دے
اے مرے دستِ جُنوں! بڑھ کے اُلٹ دے پردہ
حُسن شرمانے پہ مائل ہے تو شرمانے دے
ایک دو جام سے کیا پیاس بُجھے گی ساقی !
مَے پلاتا ہے تو ایسے کئی پیمانے دے
عشق ہے عشق، نصیرؔ اُن سے شکایت کیسی
وہ جو تڑپانے پہ آمادہ ہیں، تڑپانے دے

◎

عشق میں اُن کے طَور کیا کہیئے　　لطف کہیئے کہ جَور کیا کہیئے

بزمِ ساقی کے طَور کیا کہیئے　　جام و ساغر کا دَور کیا کہیئے

جیسے دو جام رقص کرتے ہوں　　اُن کی آنکھوں کو اور کیا کہیئے

اُن سے ہم بھی کہیں گے کچھ، لیکن　　سوچتے ہیں بغور، کیا کہیئے

ہے خلافِ اصولِ اہلِ وفا　　عشق میں اُن کے جَور کیا کہیئے

مختصر یہ کہ بن گئی دَم پر　　اب محبّت میں اور کیا کہیئے

عشق میں فکر غور ہے دل کو　　ہر گھڑی فکر غور، کیا کہیئے

جیسے کوئی شَراب کا دریا　　وہ جوانی کا دَور کیا کہیئے

بن گئے وہ بھی میرے دشمنِ جاں　　اپنی قسمت کو اور کیا کہیئے

اے نصیؔر اُن سے دل اٹک جانا
اک قیامت ہے اور کیا کہیئے

◎

گِر گئے جو تری نگاہوں سے — کام دن رات اُنھیں ہے آہوں سے
کہہ دو ہٹ جائیں میری راہوں سے — کیا غرض مجھ کو کج کلاہوں سے
اتّفاقًا مرا دلِ مضطر — بچ گیا آپ کی نگاہوں سے
شیشہ و جام کی ضرورت کیا — تم پِلا دو اگر نگاہوں سے
سوزِ غم نے جَلا دیا دل کو — جل گیا، رات دن کی آہوں سے
حضرتِ دل نکل نہیں سکتے — عشق کی پیچ دار راہوں سے
رحمتیں اُس کی دیکھ کر انساں — باز آتا نہیں گناہوں سے
کانپتے ہیں دل و جگر دونوں — آپ سے، آپ کی نگاہوں سے
غم کی راہیں سفر کا حصّہ ہیں — کیا بچے کوئی غم کی راہوں سے
جن سے لُوٹا تھا تم نے دل میرا — دیکھ لو پھر اُنھیں نگاہوں سے
ہم پریشان ہیں محبّت میں — خیر خواہی سے، خیر خواہوں سے
وہ کہیں کا نہیں خدا کی قسم — گِر گیا جو تری نگاہوں سے

مَیں سوالی ہُوں اے نصیؔر اُن کا
کام کیا مجھ کو بادشاہوں سے

◎

سَبُو اُٹھا ! کہ شبِ ماہتاب ہے ساقی
خُروشِ بربط و چنگ و رَباب ہے ساقی
پلا شراب ! کہ عہدِ شباب ہے ساقی
ہر اک گناہ میں غلطاں ثواب ہے ساقی
بچی کُھچی ہی سہی ، ہم پہ بھی کرم فرما
زمانہ در سے ترے فیض یاب ہے ساقی
گدائے خاک نشیں کو جو بخش دے شاہی
ترا وہ در ہے ، وہ تیری جناب ہے ساقی
وہ جام دے کہ ہر اک شے سے بے خبر کر دے
کہ اب تو ہوش میں رہنا عذاب ہے ساقی
عطائے بادہ میں تعجیل کر کہ عمرِ رواں
عِناں گُستہ و پا در رکاب ہے ساقی

کرم میں دیر نہ فرما کہ یہ شبِ ہستی
بقدرِ فُرصتِ رقصِ حَباب ہے ساقی

شراب جُھوم کے دے، جام چُوم چُوم کے دے
کسی کی پیاس بُجھانا ثواب ہے ساقی

خیال چاہئے ہم سے بھی بادہ خواروں کا
کہ قطرے قطرے کا آخر حساب ہے ساقی

حجاب کیسا، تغافل ہے کیوں، نظر تو اُٹھا
کہ عہدِ مستی و دَورِ شباب ہے ساقی

وہ جس نے پی ہو تری میگسار آنکھوں سے
وہ بے نیازِ عذاب و ثواب ہے ساقی

تری گلی ہے وہ اک منبعِ فروغ و ضیا
کہ ذرّہ ذرّہ جہاں آفتاب ہے ساقی

جو زلف میں ہو تو زینت، جو دل میں ہو تو خلش
بہ ظاہر ایک ہی شے پیچ و تاب ہے ساقی

ہر ایک قطرہ ہے آئینہ دارِ رنگِ نشاط
ترا کرم وہ برستا سحاب ہے ساقی

نگاہ جم نہ سکی اِس لئے مظاہر پر
وفورِ جلوہ تو خود اک حجاب ہے ساقی

اِسے بھی بادۂ حُبِّ نبیؐ عطا کر دے
نصیرؔ ، خاکِ درِ بُوترابؓ ہے ساقی

◎

سُکوں لُوٹ کر پھر ستانے لگے ہیں
نہ جانے وہ کیوں یاد آنے لگے ہیں
گئی کم سِنی ، ہوش آنے لگے ہیں
وہ ہر بات ہم سے چُھپانے لگے ہیں
ہیں مخمور آنکھوں پہ زلفوں کے سائے
سرِ میکدہ ابر چھانے لگے ہیں
ذرا صبر ، اے غنچۂ ناشگفتہ !
کہ وہ خیر سے مُسکرانے لگے ہیں
جنہیں زندگی بھر نہ آنے کی ضد تھی
اَب آجائیں ، میّت اُٹھانے لگے ہیں
خدارا کوئی اُن سے اِتنا تو پوچھے
وہ کیوں آنکھ ہم سے چُرانے لگے ہیں

اُنھیں تو نہ یُوں بزم سے تم اُٹھاتے
جنھیں بیٹھنے میں زمانے لگے ہیں

رہی عمر بھر جن کی تصویر دل میں
تصوّر میں آ کر ستانے لگے ہیں

سُنا ہے مری ضد میں کچھ ننگِ ہستی
تری بزم میں آنے جانے لگے ہیں

قضا نے بھی پایا نہ اُن کا ٹھکانہ
ترے ہاتھ سے جو ٹھکانے لگے ہیں

نہ جانے وہ اِک لمحۂ قُرب کیا تھا
تعاقب میں جس کے زمانے ''لگے ہیں''

جو ہنستے تھے کل تک مری بے بسی پر
وہ خود آج آنسو بہانے لگے ہیں

بہت بے سُکوں ہے نصیرؔ آج کوئی
ترے اشک بھی رنگ لانے لگے ہیں

◎

یاد اب اُن کو مری ذات رہی ہے کہ نہیں
وہ جو پہلے تھی کبھی بات، رہی ہے کہ نہیں
بے وفائی تری، دن رات رہی ہے کہ نہیں
یہ بھی منجملۂ آفات رہی ہے کہ نہیں
اب جو ممکن نہیں، وہ بات رہی ہے کہ نہیں
سال ہا سال مُلاقات رہی ہے کہ نہیں ؟
اُن کی محفل میں ذرا دیکھ تو جا کر اے دل!
اب وہ پہلی سی مدارات رہی ہے کہ نہیں
عالمِ شوق میں یہ کس کو پتہ چلتا ہے
دن رہا ہے کہ نہیں، رات رہی ہے کہ نہیں
اُن سے ممکن ہو ملاقات، تو یہ بات کھُلے
ہم پہ وہ چشمِ عنایات رہی ہے کہ نہیں

یاد ہے اے دلِ پُرشوق وہ اشکوں کی جَھڑی
رنج و آزار کی برسات رہی ہے کہ نہیں ؟
بات بے بات نصیرؔ اُن کا خفا ہو جانا
ذہن میں آپ کے یہ بات رہی ہے کہ نہیں ؟

◎

شاد رکھیئے، عذاب میں رکھیئے
مجھ کو بھی انتخاب میں رکھیئے

عکسِ ساقی، شراب میں رکھیئے
ماہتاب، آفتاب میں رکھیئے

آپ کے جو ستم بھی ہوں باقی
سب وہ میرے حساب میں رکھیئے

اُڑ نہ جائیں حواس دُنیا کے
آپ جلوے نقاب میں رکھیئے

کہہ رہا ہے یہ زندگی کا سفر
پاؤں ہر دَم رکاب میں رکھیئے

آپ رکھیئے نگاہ میں مجھ کو
چاہے حالِ خراب میں رکھیئے

مستحق ہے اِسی سلوک کا وہ
غیر کو رُعب داب میں رکھیئے

وہ سمجھ لیں نصیرؔ دل کی بات
ایسے فقرے خطاب میں رکھیئے

◎

راہِ دشوار کو آسان بنا کر چلیۓ
دُور جانا ہے ، تو پھر ہوش میں آ کر چلیۓ

ہجر کی راہ میں یہ فرض ادا کر چلیۓ
اپنی پلکوں پہ چراغوں کو سجا کر چلیۓ

روشنی ہو ، تو چمک اُٹھتی ہے ہر راہِ سیاہ
دو قدم چلیۓ ، مگر شمع جلا کر چلیۓ

خار ہی خار زمانے میں نظر آتے ہیں
اپنے دامن کو بُرائی سے بچا کر چلیۓ

آپ کی سُست رَوی آپ کو لے ڈوبے گی
دُور منزل ہے ، ذرا پاؤں اُٹھا کر چلیۓ

بندشیں توڑتے چلیئے ، کہ سفر آساں ہو
سامنے آئے جو دیوار ، گرا کر چلیئے

غم کے ماروں کا تو اللہ نگہباں ہے ، مگر
اب جو آپ آ ہی گئے ہیں ، تو دُعا کر چلیئے

جادۂ شوق میں لغزش سے ہے بچنا لازم
دل مچلتا ہو ، مگر پاؤں جما کر چلیئے

دشمن و دوست کی پہچان ضروری ہے نصیرؔ
ایسوں ویسوں سے ذرا خود کو بچا کر چلیئے

◎

ترے ستم کے لئے جس کا انتخاب نہیں

وہ امتحانِ محبّت میں کامیاب نہیں

نگاہِ غور سے دیکھیں تو میکدے والے

ہمارا جام ہے گردش میں، آفتاب نہیں

وہ سب کی سُنتے ہیں، سب کو جواب دیتے ہیں

مرے سوال کا لیکن کوئی جواب نہیں

خدا گواہ کہ اہلِ نظر کے مَسلک میں

شرابِ حُسن سے بہتر کوئی شراب نہیں

اب اِس مقام پہ لے آئی ہے تری الفت

وہ اُلجھنیں، وہ اذیّت، وہ اضطراب نہیں

نگاہ جم گئی اس چہرہِ کتابی پر

اب اِس کتاب سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں

کب اُن کی یاد میں بیتابیاں نہیں دل کو
کب اُن کے ہجر میں مٹّی مری خراب نہیں

نصیر ! میکدۂ زندگی میں لُطف ہی کیا
شریکِ جام ، جو وہ رشکِ ماہتاب نہیں

◎

قلبِ مضطر کے اشارے اور ہیں
اب ارادے ہی ہمارے اور ہیں

نقش کچھ دل پر اُتارے اور ہیں
تم تو ہو، تم سے بھی پیارے اور ہیں

اہلِ دل سے موجِ غم بپھرا کرے
ٹوٹنے والے کنارے اور ہیں

اُن کے دیوانوں کی باتیں، العجب!
اصطلاحیں، استعارے اور ہیں

غم کی بازی جان دے کر جیت لی
ہم کہاں ہارے ہیں، ہارے اور ہیں

ہم نے جانا اور مانا ہے تمہیں
وہ بھی ہیں، جن کے سہارے اور ہیں

بندہ پرور! اِس طرف بھی اک نظر
بزم میں کچھ غم کے مارے اور ہیں

غیر کی باتوں میں اِتنا ہیر پھیر
تذکرہ تیرا ہے، پیارے اور ہیں

اے مقدّر! کس قدر غم رہ گئے
آشنا کتنے ہمارے اور ہیں

وہ نہیں، جن پر گماں تم کو ہُوا
چاہنے والے تمہارے اور ہیں

خیر تو ہے، کیوں نصیؔر آیا نہیں
آپ کی محفل میں سارے "اور" ہیں

◎

مانا کہ وہ باوفا نہیں ہے	پھر بھی دل کا بُرا نہیں ہے
بُت خوش ہیں، خدا خفا نہیں ہے	اب کیا کہوں کیا ہے، کیا نہیں ہے
تیری سی کہیں ادا نہیں ہے	جو تُو ہے وہ دُوسرا نہیں ہے
دُنیا نے سُنا ہمارا قصّہ	تم بھی سُن لو، سُنا نہیں ہے؟
وحشت کا مذاق اُڑانے والو!	دیوانہ کوئی ملا نہیں ہے
کچھ کچھ وہ خفا خفا ہیں مجھ سے	سمجھوتہ ابھی ہُوا نہیں ہے
پُوچھا، تمہیں مجھ سے ہے محبّت	شرما کے یہی کہا "نہیں ہے"
فتنے کے سوا تری گلی میں	جو بیٹھ گیا، اُٹھا نہیں ہے
سب کچھ ہے، ترے کرم کے صدقے	دامن میں ہمارے کیا نہیں ہے
نکلے ہیں تلاش میں کسی کی	اپنا بھی جنہیں پتا نہیں ہے
دَم بھرتے ہو میری دوستی کا	اچّھا! کہہ دو، بُرا نہیں ہے

کیوں جھک کے ملے نصیرؔ اُن سے
اِتنا تو گرا پڑا نہیں ہے

◎

ٹکڑے ٹکڑے ، ریزے ریزے تُو شوق سے اے قاتل کر دے
منظور ہمیں ہے تیری خوشی ، برباد ہمارا دل کر دے

یُوں راہِ جُنوں طے ہو یا رب ! آسان ہر اک مُشکل کر دے
ہر سانس کو شمعِ راہ بنا ، ہر ذرّے کو منزل کر دے

اللہ کی قدرت کا سِکّہ ہر موجِ رواں پر جاری ہے
جس کو چاہے طوفاں کر دے ، جس کو چاہے ساحل کر دے

وہ چاہے ، تو مُشتِ خاک بنے ، یا آئینۂ ادراک بنے
یہ اُس کی عنایت ، اُس کا کرم ، انوار کا مرکز دل کر دے

درکار ہے عہدِ اُلفت میں افسانۂ دل کو رنگینی
اے دل کی لگی ! ہر آنسو میں کچھ خُونِ جگر شامل کر دے

ہنگامۂ عالَم کیا ساقی ! محشر بھی مجھے چونکا نہ سکے
ساغر نہ اُٹھا ، آنکھوں سے پِلا ، مدہوش نہ کر، غافل کر دے

عقبیٰ کی طلب ، دُنیا کی ہوس ، اک طولِ اَمَل ، اک حرص و ہَوا
بس ایک دُعا ہے صبح و مسا اُس دَر کے مجھے قابل کر دے

تاریخِ وفا و حسرت کی تکمیل اگر ہے پیشِ نظر
کہہ دو یہ مؤرّخ سے جاکر، کچھ حال مرا شامل کر دے

طوفاں کے تھپیڑے کھاتا ہُوں گردابِ بَلا میں ہے کشتی
اے بحرِ کرم ! یُوں موج میں آ، ہر موجِ بلا ساحل کر دے

اب حشر میں کیا مُنہ کھولیں ہم ، کیا بات کریں، کیا بولیں ہم
خُون اُس نے کیا ، حق یا ناحق یہ فیصلہ خود قاتل کر دے

ایں واعظِ شہر از حرص و رِیا دیگر نہ خروشیدے بے جا
یک بار گَرَش صیّادِ قضا ، زنجیریِ دردِ دل کر دے

ہے عشق نصیرؔ اک طُرفہ بَلا ، ہم نے تو یہی عالَم دیکھا
محفل کو بنا دے ویرانہ ، ویرانے کو محفل کر دے

◎

اگر تیرا اشارہ اے نگاہِ یار ہو جائے

تو دن پھر جائیں میرے، اور بیڑا پار ہو جائے

توجّہ سے تری محروم اگر بیمار ہو جائے

دوا بے سُود ہو جائے، دُعا بے کار ہو جائے

جُدائی کا تصوّر تک نہ ہو، وہ پیار ہو جائے

جبینِ شوق جذبِ آستانِ یار ہو جائے

جو تم آؤ تو کلیاں مسکرائیں، پُھول کِھل اُٹھیں

بہار انگڑائیاں توڑے، چمن بیدار ہو جائے

قیامت ہے، کرشمہ ہے، نگاہِ یار کی جنبش

کوئی مدہوش ہو جائے، کوئی ہشیار ہو جائے

ہماری زندگی کا آسرا سوزِ محبّت ہے

سُکوں مِل جائے تو جینا ہمیں دُشوار ہو جائے

ابھی جلدی ہی کیا ہے مَیں ابھی زندہ سلامت ہوں

تم آنا جب، کہ جب، میّت مری تیّار ہو جائے

عَدو جب بزم میں ہو اپنا ہونا کب مناسب ہے

کہیں ایسا نہ ہو باتیں بڑھیں، تکرار ہو جائے

یہ پیمانہ نہیں، ساقی سے پیمانِ محبّت ہے

جسے اقرار ہو ٹھہرے، جسے انکار ہو "جائے"

نصیر اب تو سفینہ ڈُوبنے کو ہے کوئی دَم میں

وہ آجائیں تو شاید اپنا بیڑا پار ہو جائے

◎

برق کی اک موج سی لہرائی تھی
کیا قیامت آپ کی انگڑائی تھی

چلتے چلتے مَیں نے ٹھوکر کھائی تھی
یا مرے قدموں میں منزل آئی تھی

حُسنِ یوسفؑ، جس کا چرچا ہے بہت
دیدۂ یعقوبؑ کی بینائی تھی

تھی جوانی چڑھتے دریا کی طرح
لہر اک اٹھّی تھی، مجھ تک آئی تھی

آپ یہ تیرِ نظر سے پُوچھیۓ
زخمِ دل میں کس قدر گہرائی تھی

ہجر کی شب کا نہ پوچھو مرحلہ
تم نہ تھے، مَیں تھا، شبِ تنہائی تھی

تم اُدھر مجھ سے بگڑ کر چل دیئے
اور اِدھر دَم پر مرے بن آئی تھی
توڑتے ہو وعدہ کس منہ سے تم آج
تم نے تو شاید قَسَم بھی کھائی تھی
میری توبہ سے ہوئی ساقی کو ضد
ورنہ یُوں اُس نے کبھی پلوائی تھی؟
میرے جیتے جی کبھی موڑا نہ مُنہ
ہجر کی شب ، کیا کوئی ہرجائی تھی
حلقۂ گیسو میں ہم اُلجھے رہے
آپ نے زنجیر کیوں پہنائی تھی
یاد رکھوں گا نصیؔر اُس دن کو مَیں
حُسن پر جس دن طبیعت آئی تھی

◎

دَم بخود ہے مرے فسانے پر — کیوں نہ آئے ہنسی زمانے پر

دل رہا حُسن کے نشانے پر — تیر آتے رہے ٹھکانے پر

جال ڈالیں گے وہ زمانے پر — زُلف لہرا رہے ہیں شانے پر

جاؤں مَیں کیوں کر اُن کی محفل میں — معترض ہیں وہ آنے جانے پر

غم مجھے مِل گیا، عَدو کو خُوشی — مُہر ہوتی ہے دانے دانے پر

سرفرازی کی آرزو ہے اگر — سر جُھکا اُن کے آستانے پر

ہوش کر، بندۂ ہَوا و ہوس! — زیست ہے موت کے دہانے پر

اب ہے یہ عالمِ اسیرِ قفس — گِر چلے ہیں نئے پُرانے "پر"

چل گیا ہے نصیؔر اُن کا فُسوں
ہیں وہ چھائے ہوئے زمانے پر

◎

محبّت ناز ہے ، یہ ناز کب ہر دل سے اُٹھتا ہے
یہ وہ سنگِ گراں ہے جو بڑی مشکل سے اُٹھتا ہے

لگی میں عشق کی ، شعلہ کوئی مشکل سے اُٹھتا ہے
جلن رہتی ہے آنکھوں میں ، دُھواں سا دل سے اُٹھتا ہے

تری نظروں سے گر کر جب کوئی محفل سے اُٹھتا ہے
بڑی دِقّت ، بڑی زحمت ، بڑی مشکل سے اُٹھتا ہے

جو آ کر بیٹھتا ہے ، بیٹھ کر وہ پھر نہیں اُٹھتا
جو اُٹھتا ہے تو بس فتنہ تری محفل سے اُٹھتا ہے

مَنا کر ہی تمھیں دم لیں گے ، یہ طے کر لیا ہم نے
تمہاری ناخوشی کا بوجھ کس کے دل سے اُٹھتا ہے

یہ عالم ہے ترے بیمارِ اُلفت کی نقاہت کا
اشارے کے لئے اب ہاتھ بھی مشکل سے اُٹھتا ہے

ضرورت ہے تو گردابِ بلا میں عافیت ڈھونڈو
کہ اب طوفان اکثر دامن ساحل سے اُٹھتا ہے

محبّت کا سفر بے انتہا آساں سہی ، لیکن
جو گر پڑتا ہے رَستے میں وہ پھر مشکل سے اُٹھتا ہے

تری محفل کسی کو جیتے جی اُٹھنے نہیں دیتی
وہ ہے زندہ جنازہ جو تری محفل سے اُٹھتا ہے

ترا بیمار کیا آکر سُنائے تجھ کو حال اپنا
زباں مشکل سے چلتی ہے، قدم مشکل سے اُٹھتا ہے

یہ کس دیوانۂ عشق و وفا نے راہ طے کر لی
سلامی کو بگولہ گردشِ منزل سے اُٹھتا ہے

تمنّا تو نصیرؔ اُس بزم میں جانے کی ہے ، لیکن
سُنا ہے جو وہاں بیٹھے، بڑی مشکل سے اُٹھتا ہے

◎

آئے کچھ اِس ادا سے وہ خنجر نکال کے
رنگ اُڑ گئے ہمارے جواب و سوال کے
پھر اُس ستم نصیب کے پلّے میں کیا رہا
چھوڑا ہے جس کو آپ نے مطلب نکال کے
صدقے ہوں آپ کی نگہِ فتنہ زا پہ ہم
قربان جائیں آپ کے ہر بال بال کے
کہتی ہے چپکے چپکے یہ اُن کی نگاہِ شوخ
تحفے میں ہم بھی پیش کریں دل نکال کے
قربان عقل و ہوش تری چشمِ ناز پر
دنیا و دیں نثار ترے خدّ و خال کے
تا وقتِ مرگ مجھ کو نہ بھولیں گے وہ کبھی
لمحات جو گزر گئے قُربِ جمال کے

ٹھہرو کہ تم پہ جان بھی قربان ہو مری

کیوں جارہے ہو مجھ کو کشاکش میں ڈال کے

ہم بھی نصیؔر دامنِ رحمت میں چھان کر

پیتے ہیں خُوب ساغر و مِینا اُچھال کے

◎

یا رب سُنائیں ہم کسے اب مدّعائے دل
کوئی نہیں جہان میں حاجت روائے دل
کیا کہیئے بحرِ شوق میں اب ماجرائے دل
دل ہے سفینہ اور وہ ہیں ناخدائے دل
آئینۂ حیات کی تکمیل کے لئے
لازم ہے کائنات میں صدق و صفائے دل
دل اور درد دونوں میں اک ربطِ خاص ہے
دل آشنائے درد ہے ، درد آشنائے دل
ہر ٹیس جس کی تیری طرف مُلتفِت کرے
یا رب ! وہ درد چاہیئے مجھ کو برائے دل
دنیائے دل کا حال نہ پوچھو فراق میں
مصروفِ انتظار ہیں صبح و مسائے دل
صد ہا اُٹھائیں دل کی بدولت صُعوبتیں
دیکھو نصیرؔ اور ابھی کیا کیا دِکھائے دل

◎

جواں ہو کر بدلتے جا رہے ہیں
وہ رعنائی میں ڈھلتے جا رہے ہیں

مرے پیچھے پڑے جو ہاتھ دھو کر
وہ خود اب ہاتھ مَلتے جا رہے ہیں

نہیں بس چل سکا کانٹوں پہ جن کا
وہ پھولوں کو مسلتے جا رہے ہیں

خدا ہی اب سنبھالے تو سنبھالے
وہ ہاتھوں سے نکلتے جا رہے ہیں

مری خاموشیوں پر ہنسنے والو !
مرے تیور بدلتے جا رہے ہیں

مری نظروں کی زد میں ہیں مخالف
کہاں بچ کر نکلتے جا رہے ہیں

نہیں، جھوٹے نہیں ہیں تیرے وعدے
بس اِتنا ہے کہ ٹلتے جا رہے ہیں

جو کل تک تھے مری آنکھوں کی ٹھنڈک
وہی اب مجھ سے جلتے جا رہے ہیں

خدا گلزار رکھّے اُن کے پاؤں
جو میرے ساتھ چلتے جا رہے ہیں

نظر کو ہے تلاشِ عہدِ ماضی
کہ اب منظر بدلتے جا رہے ہیں

یہ کس کا ہے نصیرؔ زار پر ہاتھ
کہ طوفاں سر سے ٹلتے جا رہے ہیں

◎

آپ ٹھہریں تو کہیں ، رات کی رات
کیوں کہیں اور ، یہیں رات کی رات

ہے جو وہ ماہ جبیں رات کی رات
آسماں ہے یہ زمیں رات کی رات

میرے گھر کو کبھی اپنا سمجھو
کبھی رہ جاؤ یہیں رات کی رات

ہے جہاں رشک سے جانا مشکل
تم پہنچتے ہو وہیں رات کی رات

کاش وہ میرا مقدّر ہوتے
زندگی بھر جو نہیں "رات کی رات"

صاف کہتی ہیں یہ بوجھل پلکیں
رہ کے آئے ہو کہیں ، رات کی رات

صبح کو اور سماں ہوتا ہے
شمع رہتی ہے حَسیں رات کی رات

میری آنکھوں سے بہت دُور رہا
وہ مرا زُہرہ جبیں رات کی رات

تیرے کوچے سے کہاں جائیں گے
ہم کو رہنے دے یہیں رات کی رات

اُن کی محفل سے نہ اُٹھّے گا نصیؔر
اب تو یہ خاک نشیں ، رات کی رات

◎

آج ہم نذرِ نگاہِ نازِ جاناں ہو گئے
دل دیا ، صدقے کیا ایمان ، قرباں ہو گئے

اپنے ہاتھوں سے جو دی بیمار کو تم نے دوا
جس قدر دکھ درد تھے اُن سب کے درماں ہو گئے

سیر کرنے کے لئے گلشن میں آئے تو اُنہیں
دیکھتے ہی سرنگوں سروِ گلستاں ہو گئے

چشمِ پُرفن ، خالِ مشکیں ، زلفِ پیچاں ، الغرض
کتنے اک دل کی گرفتاری کے ساماں ہو گئے

سایۂ نعلین اُن کا رشکِ صد ظلِّ ہُما
مورِ بے مایہ تھے ہم ، رشکِ سلیماںؑ ہو گئے

شکریہ ممکن نہیں اِس انعطافِ خاص کا
خیر سے وہ آج میرے گھر کے مہماں ہو گئے

کیا کہوں مَیں اپنی بے تابی کا عالم اے نصیرؔ
جب وہ میری داستاں سُن کر پریشاں ہو گئے

◎

اندوہِ عشق ، ایک زمانے کی بات ہے
یہ بات کیا کسی سے چُھپانے کی بات ہے
دل کو جلانے ، دل کو ستانے کی بات ہے
اچّھا تمہیں کہو ! یہ ٹھکانے کی بات ہے؟
ناراض ہیں جو وہ ، تو منا لیں گے ہم اُنہیں
بس ایک بار آنکھ ملانے کی بات ہے
لہجے میں آنچ ، حرف میں حِدّتِ ، نَفَس میں سوز
ہر بات اُن کی ، دل کو جلانے کی بات ہے
تم بے وفا نہیں ہو ، تو اچّھا ہمیں سہی
ایسی بھی کیا یہ بات بڑھانے کی بات ہے
وہ دل کا حال سُنتے رہے پہلے ، اور پھر
ہنس کر کہا ، یہ گزرے زمانے کی بات ہے

میخانے میں طلب نہیں جامِ شراب کی
ساقی سے اب تو آنکھ ملانے کی بات ہے

ناکامیِ وفا پہ اُڑاتے ہو تم ہنسی
اے دوستو ! یہ رونے رُلانے کی بات ہے

بس ایک مَیں ، کہ مُجھ کو بُھلایا گیا نصیرؔ
اُن کی زباں پہ ورنہ زمانے کی بات ہے

◎

بات دیکھی یہ فقط آپ کے دیوانوں میں
کُود پڑتے ہیں مچلتے ہوئے طوفانوں میں
سامنے آ کے جو وہ شرم سے رُوپوش ہوئے
ایک ہل چل سی مچا دی مرے ارمانوں میں
اللہ اللہ یہ ترے حُسنِ فسوں گر کی کشش
بُت بھی سجدے کو ہیں بے تاب صنم خانوں میں
ہنس کے چھیڑے نہ کوئی آپ کے دیوانوں کو
یہ قیامت لیے بیٹھے ہیں گریبانوں میں
مئے گلرنگ کا اک جام ہمیں بھی ہو عطا
ہم بھی ہیں ساقیِ دوراں! ترے مستانوں میں
منقلب ہو گئے حالات بیک چشم زدن
کل یگانے جو تھے وہ آج ہیں بیگانوں میں
مَبداءِ فیض نے بخشی وہ مجھے طبعِ رسا
نام اپنا بھی نصیرؔ اب ہے سخنداںوں میں

◎

چاہیئے اُن کی نظر، میری نظر کاٹنے کو
ہیرا درکار ہے ہیرے کا جگر کاٹنے کو

وقتِ دیدار، نقابِ رُخِ جاناں، ناحق
آ پڑی سلسلۂ تارِ نظر، کاٹنے کو

تم مرے ساتھ نہیں ہو تو کوئی لطف نہیں
یوں تو کٹ جاتے ہیں یہ شام وسحر، کاٹنے کو

جوشِ وحشت میں ہر اک شے ہُوئی مجھ سے بیزار
دَوڑتا ہے مرا اُجڑا ہُوا گھر، کاٹنے کو

آج صیّاد، گلستاں میں غضب ڈھائے گا
قینچیاں ساتھ لئے پھرتا ہے پَر کاٹنے کو

کون کہتا ہے کہ موجوں نے تھپیڑے مارے
ناؤ چکرائی تھی دریا میں بھنور کاٹنے کو

بھیس بدلے ہُوئے رہبر کا وہ رہزن ہی سہی
چاہیئے ساتھ کوئی راہِ سفر کاٹنے کو
کوچۂ یار میں سایہ جو نظر آیا ہے
ہم بھی آ بیٹھے ہیں دوچار پَہَر، کاٹنے کو
عشق وہ کوہِ گراں ہے کہ الٰہی ! توبہ
حوصلہ چاہیئے پتھّر کا جگر کاٹنے کو
وہ نہیں ہیں تو یہ گلشن بھی بیاباں ہے نصیرؔ
اپنا مُنہ کھولے ہے اک اک گُلِ تر "کاٹنے کو"

◎

درحقیقت ہے وہ پناہوں میں — آ گیا جو تری نگاہوں میں
جب سے دیکھی ہے آپ کی صورت — کوئی جچتا نہیں نگاہوں میں
ہر نفَس اہلِ عشق کا گزرا — درد میں، غم میں، دُکھ میں، آہوں میں
ہم سے کارِ ثواب ہو نہ سکا — عمر ساری کٹی گناہوں میں
اُن کے چہرے پہ آگئی زردی — کچھ اثر تو ہے اپنی آہوں میں
خواب ہے، وہم ہے، فسانہ ہے — رنگِ دنیا مری نگاہوں میں
پائی جاتی ہے جو فقیروں میں — بات کب ہے، وہ بادشاہوں میں

اے نصیرؔ اب یہی تمنّا ہے
کوئی پھرتا رہے نگاہوں میں

لڑاتے ہیں نظر اُن سے جو ہوتے ہیں نظر والے
محبّت کرتے ہیں دنیا میں دل والے، جگر والے

ہمیں ذوقِ نظر نے کر دیا اِس راز سے واقف
اشاروں میں پرکھتے ہیں زمانے کو نظر والے

کوئی تم سا نہ دیکھا، یُوں تو دیکھے ہم نے دنیا میں
بہت جادو نظر والے، بہت جادو اثر والے

تمہاری انجمن میں اور کس کو حوصلہ یہ ہے
وہی دل پیش کرتے ہیں جو ہوتے ہیں جگر والے

سب اپنے اپنے زندانِ ہوس کے مستقل قیدی
زمیں والے، یہ زر والے، یہ در والے، یہ گھر والے

ہُنر مندانِ الفت ہیں بہت کم اِس زمانے میں
جہاں میں یُوں تو لاکھوں ہم نے دیکھے ہیں ہُنر والے

نصیؔر اُن کی طرف سے یہ ہمیں تاکید ہوتی ہے
"سنبھل کر بیٹھیۓ محفل میں بیٹھے ہیں نظر والے"

◎

وعدے وفا کے اور قرینے جفا کے یُوں
کیوں کر بدل گئے وہ نگاہیں مِلا کے یُوں

پہلو میں اب پلٹ کے نہ آئے گا دل مرا
انداز لے اُڑے ہیں کسی دلربا کے یُوں

مطلب یہ ہے کہ اَور بھی حیراں ہو چشمِ شوق
پردے میں چُھپ گیا ہے کوئی مسکرا کے یُوں

گیسوئے یار چُھو کے گلستاں میں آئی ہے
مہکے ہُوئے نہ تھے کبھی جھونکے صبا کے یُوں

جیسے کہ مَیں غریب ، کوئی آدمی نہیں
احباب دُور دُور ہیں دامن بچا کے یُوں

ہم کو بلایا ، پاس بٹھایا ، اُٹھا دیا
رُسوا کیا ہے آپ نے گھر پر بُلا کے یُوں

ہو گا نہ اب قرار میسّر کبھی مجھے
اک بات کہہ گئے ہیں وہ آنکھیں مِلا کے یُوں

دیکھیں گے اب نصیرؔ قیامت کے روز ہم
جاتے ہیں کس طرف کو وہ دامن بچا کے یُوں

◎

ستاتے ہیں دلِ ناشاد کو پھر شاد کرتے ہیں
کرم کے رُوپ میں وہ آئے دن بیداد کرتے ہیں

پسِ مُردن جو ہیں آسودۂ خاک اُن کے کوچے میں
وہ اب کیوں اُن کی مٹّی اِس طرح برباد کرتے ہیں

دل اُن کا، جان اُن کی، جو کہیں، تیّار ہیں قاصد!
ذرا تم پوچھ لو اُن سے، وہ کیا ارشاد کرتے ہیں

یہ خنجر آزمائی اور تم، توبہ ارے توبہ
چلو، چھوڑو، ہٹو، یہ کام تو جلّاد کرتے ہیں

رہی گنجائش اپنی اب نہ مسجد میں، نہ مندر میں
اُٹھو! اپنا الگ اک میکدہ آباد کرتے ہیں

یہ مانا، ہو گئی ہے مُستقل دُوری، مگر اب تک
وہ ہم کو یاد کرتے ہیں، ہم اُن کو یاد کرتے ہیں

نصیؔر اچّھا ہُوا جو کچھ ہُوا دنیائے الفت میں
مرے احباب کیا ذکرِ دلِ ناشاد کرتے ہیں

◎

سوز بخشا ، حشر ڈھا کر چل دیئے
آگ وہ دل میں لگا کر چل دیئے
حُسن کے شعلوں سے بعدِ مرگ وہ
میری میّت کو جلا کر چل دیئے
اک جھلک میں آپ نے یہ کیا کیا
مجھ کو دیوانہ بنا کر چل دیئے
اُن کے وعدے تو بہت کچھ تھے ، مگر
خاک میں سب کو مِلا کر چل دیئے
میرے عرضِ مدّعا پر آج وہ
روٹھ کر دامن بچا کر چل دیئے
جب وہ آئے ہر قدم پر راہ میں
سینکڑوں فتنے جگا کر چل دیئے

اُن کے اِس انداز کو اب کیا کہوں
چاند سی صورت دِکھا کر چل دیئے
خرمنِ اُمّید جل کر رہ گیا
دل پہ وہ بجلی گرا کر چل دیئے
آئے جب وہ ، دیکھ کر تربت مری
ہنس دیئے ، ٹھوکر لگا کر چل دیئے
راہ میں بیٹھے جو دیکھا اے نصیرؔ
مجھ سے وہ دامن بچا کر چل دیئے

◎

اگر آلامِ ہجراں کم نہ ہوں گے ‏ ‏ یہی ہوگا کہ اک دن، ہم نہ ہوں گے
جیئں گے کس طرح اہلِ محبّت ‏ ‏ اگر اُن کے ستم پیہم نہ ہوں گے
چراغاں ہو گا صحنِ گلستاں میں ‏ ‏ بہاریں ہوں گی، لیکن ہم نہ ہوں گے
کیا ہے خُونِ دل سے جن کو روشن ‏ ‏ وہ یادوں کے دِیئے مدّھم نہ ہوں گے
ستائے گی ہماری یاد اُن کو ‏ ‏ مگر بزمِ جہاں میں ہم نہ ہوں گے
ترا قامت اُٹھائے گا جو فتنے ‏ ‏ قیامت سے وہ فتنے کم نہ ہوں گے
یہی صُورت رہی تو دیکھ لینا ‏ ‏ کبھی اک دوسرے کے ہم نہ ہوں گے
کہاں زندانیوں کا پھر ٹھکانہ ‏ ‏ اگر اُن گیسوؤں کے خَم نہ ہوں گے

نہ چُھوٹے اے نصیرؔ! اب یار کا غم
یہ غم چُھوٹا تو کیا کیا غم نہ ہوں گے

◎

ویسے تو سب ہی کو شیطان سے ڈر لگتا ہے
مجھ کو اِس دَور کے انسان سے ڈر لگتا ہے

جس کے ہر لفظ میں پوشیدہ ہو نشتر کی چُبھن
ایسے ہر صاحبِ احسان سے ڈر لگتا ہے

غمِ کونَین پریشاں نہیں کرتا اِتنا
جس قدر زُلفِ پریشان سے ڈر لگتا ہے

کَل گلی سے کوئی درویش یہ کہتے گزرا
کسی قیصر سے نہ سُلطان سے ڈر لگتا ہے

جن سے منسوب ہُوں مَیں، اُن پہ نہ حرف آئے کوئی
نام لیتا ہُوں تو پہچان سے ڈر لگتا ہے

جو نگاہوں سے حقیقت کو بھی کر دے اوجھل
اُس دِکھاوے کی ہر اک شان سے ڈر لگتا ہے

جن میں جُرأت ہو، اُترتے ہیں وہ میداں میں نصیرؔ!
خاک اُتریں، جنہیں میدان سے ڈر لگتا ہے

◎

قدم قدم پہ جو صدمے اُٹھا نہیں سکتے
کبھی وہ منزلِ مقصود پا نہیں سکتے

ہو باغباں ہی اگر معترض چمن میں تو ہم
بنائیں بھی تو نشیمن بنا نہیں سکتے

کیئے ہیں ضبط بہ ترکیب آہِ سوزاں کو
ہم اپنا خرمنِ ہستی جلا نہیں سکتے

گزر چکی ہے جو ہم پر، سُنائیں کیا تم کو
وہ حادثے ہیں کہ لفظوں میں لا نہیں سکتے

اُنہیں کہو کہ لحد میں وہ جا کے سو جائیں
جو ظلم و جور کی دیوار ڈھا نہیں سکتے

وہ خام کار ہیں اِس کار گاہِ عالم میں
غموں کا بوجھ جو ہنس کر اُٹھا نہیں سکتے

یہ روزِ حشر ہے، انصاف کا ہے راج یہاں
تم آج ہم سے نگاہیں مِلا نہیں سکتے
ہمارے دل کو اُڑا کر وہ لے گئے کیوں کر
نصیرؔ ! ہم یہ کہانی سُنا نہیں سکتے

◎

حاجت دُعا کی ہے نہ ضرورت دوا کی ہے
ہونا وہی ہے اب ، جو مشیّت خدا کی ہے

مَیں نے کہا کہ تم سے شکایت جفا کی ہے
بولے کہ صبر کر ! یہی مرضی خدا کی ہے

دل کو بچا سکے گا کوئی آپ سے کہاں
سج دھج کمال کی ہے ، تو شوخی بَلا کی ہے

یہ ظلم ، یہ ستم ، یہ تباہی ، یہ اِبتلا
مٹّی خراب عشق میں اہلِ وفا کی ہے

کیا اُس نے کچّی نیند سے اُٹھ کر جھڑک دیا
رفتار کیوں رُکی رُکی بادِ صبا کی ہے

لایا ہے رنگ میرا لہو اُن کے ہاتھ میں
دنیا سمجھ رہی ہے کہ شوخی حنا کی ہے

نظروں میں ہے نصیرؔ چمک آفتاب کی
کچھ اور بات اُن کے رُخِ پُر ضیا کی ہے

———

◎

محفل کا یہ انداز ، کہاں وہ ہیں ، کہاں مَیں
دنیا کو خبر ہوگی ، جو کھولوں گا زباں مَیں
چاہو تو ہم آہنگ کروں دل سے زباں مَیں
کچھ عرض کروں ، جان کی پاؤں جو اماں مَیں
حالاتِ غمِ عشق ، نہیں ذِکر کے قابل
سُنتے ہیں اگر آپ ، تو کرتا ہُوں بیاں مَیں
ذرّے کو بھی خورشید سے نسبت سہی ، پھر بھی
سچ بات مگر یہ ہے ، کہاں آپ ، کہاں مَیں
بھُولے سے بھی انگڑائی اب آتی نہیں مجھ کو
اے چشمِ زمانہ ! کبھی ہوتا تھا جواں مَیں
سُنتا ہُوں بڑی دیر سے ساقی کی بُرائی
اب کھینچوں گا واعظ ! تری گُدّی سے زباں مَیں

سائے کی طرح ساتھ نظر آؤں گا ، سرکار !

جانا ہے کہاں مجھ کو ، جہاں آپ ، وہاں مَیں

اب خود ہی نصیرؔ اُٹھ کے چلا جاؤں تو اچّھا

اِس انجمنِ ناز میں ہُوں بارِ گراں ، مَیں

◎

کہتے ہیں، اُن کو بُت نہ کہوں مَیں، خدا کہوں
پھر ضد یہ ہے کہ کُھل کے کہوں، برملا کہوں

تم سے تھی اک اُمید سو وہ بھی نہیں رہی
اب کس کو مہربان کہوں، باوفا کہوں

گردوں خلاف، بخت مخالف، وہ بدگماں
کس سے یہ دل کا حال کہوں اور کیا کہوں

اُمّیدِ لطف ہو تو ہلاؤں زبان بھی
گر جان کی امان ملے، مدّعا کہوں

پہلو میں رات دن ہے قیامت سی اک بپا
آفت کہوں، عذاب کہوں، دل کو کیا کہوں

نسبت ہے مجھ کو مہرِ علیؒ شاہ سے نصیرؔ!
ذرّے کو آفتاب سے کیوں کر جُدا کہوں

◎

عشق آسان بہت ہے ، مگر آساں بھی نہیں
یہ ہے وہ درد کہ جس کا کوئی درماں بھی نہیں

نخوتِ حُسن بجا ، تمکنتِ ناز دُرُست
بات بے بات اُلجھنا ترے شایاں بھی نہیں

میری توقیرِ طلب کا ہے زمانہ قائل
مَیں وہ سائل ہُوں کہ شرمندۂ احساں بھی نہیں

جان پر کھیل رہی ہے تری خاطر دنیا
کھیل آساں ہے ، مگر اِس قدر آساں بھی نہیں

داغِ حسرت سے منوّر تھا کبھی دل میرا
اب تو روشن یہ چراغِ تہِ داماں بھی نہیں

زندگی دیدۂ بیدار میں ہے اور ہی شے
خوابِ راحت بھی نہیں، خوابِ پریشاں بھی نہیں

دستِ وحشت نے تباہی سی مچا رکّھی ہے
بات دامن پہ نہیں ختم ، گریباں بھی نہیں

جلوۂ مِہر کی صورت ہے نصیرؔ اُن کا جمال
سامنے بھی وہ ہیں ، دیدار کا امکاں بھی نہیں

◎

بیتاب ہیں ، ششدر ہیں ، پریشان بہت ہیں
کیوں کر نہ ہوں ، دل ایک ہے ، ارمان بہت ہیں

کیوں یاد نہ رکھّوں تجھے اے دشمنِ پنہاں !
آخر مرے سر پر ترے احسان بہت ہیں

ڈھونڈو تو کوئی کام کا بندہ نہیں مِلتا
کہنے کو تو اِس دَور میں انسان بہت ہیں

اللہ اِسے پار لگائے تو لگائے
کشتی مری کمزور ہے ، طوفان بہت ہیں

دیکھیں تجھے ، یہ ہوش کہاں اہلِ نظر کو
تصویر تری دیکھ کے حیران بہت ہیں

ارمانوں کی اک بھیڑ لگی رہتی ہے دن رات
دل تنگ نہیں ، خیر سے مہمان بہت ہیں

یُوں ملتے ہیں ، جیسے نہ کوئی جان نہ پہچان
دانستہ نصیرؔ آج وہ انجان بہت ہیں

◎

ہر نَفَس اک بھُوک ہے، اک پیاس ہے
زندگی ، افلاس ہی افلاس ہے

آ گئے ہیں وہ عیادت کو مری
درد و غم کا اب کسے احساس ہے

تم خفا ہو کر نہ یُوں دیکھا کرو
دل کا آئینہ بہت حسّاس ہے

اُن کا پانا ، اُن سے مِلنا ، اُن کی دُھن
واہمہ ہے ، وہم ہے ، وسواس ہے

وہ رہیں آمادۂ جَور و جفا
ہم کو تو اُن سے کرم کی آس ہے

کھینچتی رہتی ہے تصویرِ جمال
ہر نظر میری بڑی عکّاس ہے

اے نصیر ! اہلِ نظر دیکھیں ذرا
داغِ دل ہے، یا چراغِ یاس ہے ؟

◎

لگی تھی دل میں ، بالآخر زباں تک آ پہنچی
کہاں کی آگ تھی، لیکن کہاں تک آ پہنچی

ہوائے شوق ، مری خاک کو اُڑا لائی
بچھڑ گئی تھی ، مگر کارواں تک آ پہنچی

وہ ہم سے رُوٹھ گئے اور بے سبب رُوٹھے
خدا کی شان ! کہ نوبت یہاں تک آ پہنچی

یقین تو نہیں مجھ کو تری جفا کا ، مگر
یہ اک خلش مرے وہم و گماں تک آ پہنچی

ہم اُن سے رازِ تمنّا بیان کر ہی گئے
جو بات دل کی تھی آخر زباں تک آ پہنچی

لگی ہے آگ جو گُلشن میں آتشِ گُل سے
الٰہی خیر ! مرے آشیاں تک آ پہنچی

وہ خود پہنچ نہ سکا ، ہاں نصیؔر کی مَیّت
ترے دیار ، ترے آستاں تک آ پہنچی

◎

مجھ میں انداز ہے سُلطانی کا
یہ صلہ آپ کی دربانی کا

مشکلوں سے جو نبٹنا چاہو
مُنہ نہ دیکھو کبھی آسانی کا

زلفِ برہم سے تری مِلتا ہے
سلسلہ میری پریشانی کا

غم سے ہیں دشت و بیاباں آنکھیں
دُور تک نام نہیں پانی کا

بِنتِ تہذیب برہنہ سَر ہے
قحط ہے غیرتِ انسانی کا

ہائے جب عشق کیا تھا تم سے
اُف ، وہ عالَم مری نادانی کا

ہے نصیرؔ اُن کی گدائی بہتر
مَیں تو قائل نہیں سُلطانی کا

◎

تُو سفینے کا نگہباں ہو ، یہ امکاں ہی نہیں
ناخدا ! تجھ کو تو اندازۂ طوفاں ہی نہیں

جوشِ وحشت میں کوئی چین کا ساماں ہی نہیں
پُرزے پُرزے ہُوا دامن بھی ، گریباں ہی نہیں

اُنگلیاں ہم پہ اُٹھاتا ہے زمانہ سارا
ہم تری راہ میں سرگشتہ و حیراں ہی نہیں

حُسن کی ایک جھلک دیکھ کے یہ حال ہُوا
سربسجدہ ہیں ملک بھی ، فقط انساں ہی نہیں

مطمئن ہو کے جیئے خاک محبّت میں کوئی
جب توجّہ ہی نہیں ، لُطف کا امکاں ہی نہیں

ایسی رنجش تو نہیں ہے کہ مٹائے نہ مٹے
بات اِتنی ہے کہ وہ شخص پشیماں ہی نہیں

چشمِ بد دُور ! مبارک ہو یہ احساسِ کمال
آپ برتر ہیں فرشتوں سے ، ہم انساں ہی نہیں
وہ بھی ہیں، اپنے بھی، بیگانے بھی، یہ دل بھی، نصیرؔ!
مجھ سے برگشتہ فقط گردشِ دوراں ہی نہیں

◎

لوگ لکھتے رہے ظلمت کے فسانے کیا کیا
پھر گئے آنکھوں میں تاریک زمانے کیا کیا
آج جب از سرِ نو ہم نے سجائی محفل
یاد آئے ہمیں کچھ دوست پرانے کیا کیا
فکرِ اسباب و وسائل میں یہ انساں گُم ہے
سوچتا رہتا ہے ہر وقت نہ جانے کیا کیا
اب اگر کوئی نہ سمجھا تو قصور اُس کا ہے
میرے اشکوں نے کہے غم کے فسانے کیا کیا
اِس کا دل توڑ دیا ، اُس کا جگر چھید لیا
چشمِ بددُور ، اُڑاتے ہو نشانے کیا کیا
سوچ لیتی ہے محبّت بھی ہزاروں رستے
اُن سے ملنے کے نکلتے ہیں بہانے کیا کیا

کُھل گئی ہم پہ بھی دنیا کی حقیقت آخر
ہم نے بھی دیکھ لئے خواب سُہانے کیا کیا

وہ بتاکید بُلاتے ہیں ، خدا خیر کرے
سامنے سب کے وہ کہہ جائیں نجانے کیا کیا

اک نیا سوز ، نیا کیف مِلا مجھ کو نصیرؔ
سازِ دل چھیڑ گیا آج ترانے کیا کیا

◎

دن ڈھلا ، شام ہوئی ، چاند ستارے نکلے
تم نے وعدہ تو کیا ، گھر سے نہ پیارے ! نکلے

دوست جتنے تھے ، وہ دشمن مرے سارے نکلے
دم بھرا میرا ، طرفدار تمہارے نکلے

اور پھر اور ہیں ، اوروں کا گِلہ کیا کرنا
ہم نے پرکھا جو تمہیں ، تم نہ ہمارے نکلے

غم و آلام کے ماروں کا بہت تھا چرچا
وہ بھی کم بخت ، ترے عشق کے مارے نکلے

وائے قسمت کہ نہ راس آئی محبّت ہم کو
ہائے تقدیر کہ وہ بھی نہ ہمارے نکلے

جیتے جی ہم نہ ہلے اپنے ٹھکانے سے نصیر !
اُن کے کُوچے سے جنازے ہی ہمارے نکلے

◎

سَر کے بَل آؤں ، مگر آپ اشارا تو کریں
اپنی محفل میں کبھی مجھ کو گوارا تو کریں

دمِ آخر ہے ، کوئی کام ہمارا تو کریں
اور کیا کرنا ہے "اللہ کو پیارا" تو کریں

ایک طوفان جو اُٹھا ہے وہ دب جائے گا
دوست میرے، مرے دشمن سے کنارا تو کریں

مجھ کو تسلیم ہے بے تابئ دل کا شکوہ
آئینے میں کبھی آپ اپنا نظارا تو کریں

مَیں نے آنکھوں میں کئی خواب سجا رکھّے ہیں
میرے گھر آنے کی زحمت وہ گوارا تو کریں

سامنے سب کے، ذرا میری طرف رُوئے سخن!
لوگ جیتی ہوئی بازی کبھی ہارا تو کریں

کون کہتا ہے کہ مَیں اُڑ کے نہ پہنچوں گا نصیر
وہ بُلائیں تو، بُلانے کا اشارا تو کریں

◎

دُھوم ہے شش جہات پھُولوں کی
دیکھئے ! کائنات پھُولوں کی

دَور ہو جب چمن میں کانٹوں کا
کون کرتا ہے بات پھُولوں کی

اپنے سائے میں خار پالتے ہیں
کتنی اُونچی ہے ذات پھُولوں کی

اِن کی جارُوب کَش ہے بادِ بہار
آسماں ہے قنات پھُولوں کی

ذکر کانٹوں کا ، آپ کی فطرت
ہم تو کرتے ہیں بات پھُولوں کی

خار کی زندگی ، اذیّت ، درد
رنگ ، خوشبو ، حیات پھُولوں کی

اپنی تفسیر ہے خود اِن کا وُجود
کیا گناؤں صفات پھُولوں کی

دُھوپ اُن پر، تو شبنم اِن کے لئے
دن ہے کانٹوں کا ، رات پھُولوں کی

کتنی یادوں کے نقش چھوڑ گئی
مختصر سی حیات پھُولوں کی

آ گئی ہے عُروسِ فصلِ بہار
اب چلے گی برات پھُولوں کی

کِھل اُٹھا ہے نصیؔر دل میں چمن
چھیڑ دی کس نے بات پھُولوں کی

◎

الٰہی ! کیا محبّت میں یہ شکلِ امتحاں رکھ دی
کسک دل میں، جلن آنکھوں میں، ہونٹوں پر فُغاں رکھ دی

بہار آئی تو کچھ اہلِ قفس نے فرطِ حسرت سے
فضائے آتشِ گُل پر بِنائے آشیاں رکھ دی

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیسا خواب ہے یا رب !
مری دُنیا زمین و آسماں کے درمیاں رکھ دی

خدا جانے مرے بارے میں اُن کو کیا خیال آیا
اُٹھے ، اُٹھ کر اُٹھائی ، اور اُٹھا کر داستاں رکھ دی

نہیں معلوم کیا منظور ہے خلّاقِ ہستی کو
مری فطرت کے شانوں پر اساسِ دوجہاں رکھ دی

مرے ذوقِ جراحت پر قیامت سی اک آ ٹوٹی
جب اُس نے تیر پھینکے ، اور جُھنجلا کر کماں رکھ دی

خدا کا نام لے کر مُنہ اندھیرے اور پی واعظ !
صراحی کیوں اُٹھا کر طاق پر وقتِ اذاں رکھ دی

مذاقِ گُفتگو بخشا تو پھر یہ کیسی بندش ہے
خدا نے کس لئے بتّیس[32] دانتوں میں زباں رکھ دی

مری بربادیوں کا کچھ دنوں تو تذکرہ رہتا
چمن والو ! ابھی سے کیوں بُھلا کر داستاں رکھ دی

فلک سے رحمتیں نازل ہوں افشاں چُننے والوں پر
کسی کی مانگ میں جیسے کہ لا کر کہکشاں رکھ دی

نصیرؔ ! اُن کے اِس اندازِ کرم نے مار ہی ڈالا
سُنے اوروں کے افسانے ، ہماری داستاں رکھ دی

◎

جسے تیری زُلفوں کے خَم یاد آئے
اُسے پھر نہ دیر و حرم یاد آئے
وہیں ماہ و انجم کی تابانیاں تھیں
جہاں تیرے نقشِ قدم یاد آئے
بڑھی اور شامِ الم کی اُداسی
جو گیسو ترے دمبدم یاد آئے
بہر حال اُن سے رہا اک تعلّق
ستم یاد آئے ، کرم یاد آئے
ہو جس کی نظر میں وجود ایک منزل
اُسے کیسے راہِ عدم یاد آئے
نصیرؔ ! اپنی رُوداد جب ہم نے دیکھی
گھنی زُلف کے پیچ و خَم یاد آئے

◎

اُس ستم گر سے جس کی یاری ہے
اُس کی قسمت میں آہ و زاری ہے
بُنِ ہر مُو سے خون جاری ہے
دل پہ جو زخم ہے وہ کاری ہے
دل کو لاحق ہے غم انوکھا سا
آج کی رات سخت بھاری ہے
ہے دگرگوں مریض کا عالم
چارہ سازوں پہ یاس طاری ہے
دل ٹھہرتا نہیں گھڑی بھر کو
کس قیامت کی بیقراری ہے
دل اُڑا کر وہ پھر ملے نہ مجھے
یہ انوکھی وفا شعاری ہے

جان مانگے تو جان بھی حاضر
جان کیا جانِ جاں سے پیاری ہے ؟
جلوے چلمن سے چھنتے رہتے ہیں
واہ کیا شانِ پردہ داری ہے
ہم بھی بیٹھیں گے تان کر سینہ
آج اُس بت کی چاند ماری ہے
پھر وہی دل میں ہے چُبھن پیدا
پھر وہی عزم شعلہ باری ہے
دل پہ اُلفت میں اختیار کسے
یہ تو اک امرِ اضطراری ہے
بعد مرنے کے لوگ ہیں آزاد
رُستگاری ہی رُستگاری ہے
بے نقاب آ گئے نصیرؔ جو وہ
ساری محفل پہ وجد طاری ہے

◎

پسِ توبہ کوئی دیکھے کہ میخانے پہ کیا گزری
صراحی کیوں شکستہ دل ہے ، پیمانے پہ کیا گزری

ہمیں تو ہر گھڑی وہ بزمِ رنداں یاد آتی ہے
خدا جانے ہمارے بعد میخانے پہ کیا گزری

بڑی محنت سے مَیں نے چار تنکے چُن کے رکھّے تھے
مگر اب کیا بتاؤں میرے خسخانے پہ کیا گزری

نثارِ شمع ہو جانا تو پروانے کی فطرت ہے
کوئی کیوں شمع سے پوچھے کہ پروانے پہ کیا گزری

سنا بھی یا نہیں اُس نے ، ذرا جلدی بتا قاصد
ہُوا کیا میرے افسانے کا ، افسانے پہ کیا گزری

کریں گے تبصرہ کیا ہوش والے میری ہستی پر
یہ دیوانہ سمجھتا ہے کہ دیوانے پہ کیا گزری

نصیرؔ ! احساس کی دولت کہاں ہر اک کو ملتی ہے
یہ کعبہ ہی سمجھ سکتا ہے ، بُتخانے پہ کیا گزری

◎

جس طرف بزم میں وہ آنکھ اُٹھا دیتے ہیں
دلِ عشّاق میں ہلچل سی مچا دیتے ہیں
جام و مینا ہی پہ موقوف نہیں اُن کا کرم
موج میں آئیں تو آنکھوں سے پلا دیتے ہیں
مسلکِ فقر کے وارث ہیں حقیقت میں وہی
گالیاں سُن کے بھی جو لوگ دُعا دیتے ہیں
کوئی بیٹھے تو سہی اہلِ نظر میں جا کر
دل کو اک آن میں آئینہ بنا دیتے ہیں
حالِ دل اُس نے جو پوچھا تو بھر آئے آنسو
نرم الفاظ بھی زخموں کو ہَوا دیتے ہیں
تُو نے دیکھا کہ ترے ہجر میں رونے والے
ہنستے ماحول میں اک آگ لگا دیتے ہیں

ایک لغزش پہ ہمیں جنّتِ ارضی بخشی
دیکھنا یہ ہے کہ اِس بار وہ کیا دیتے ہیں
خودشناسی بھی ہے تعلیمِ فنا کا حصّہ
کون کہتا ہے کہ ہم درسِ انا دیتے ہیں
وجہِ بربادیِ دل کوئی اگر پوچھتا ہے
رونے والے تری تصویر دکھا دیتے ہیں
اب یہی شغل ہے دن رات محبّت میں نصیرؔ
اشک بیتے ہوئے لمحوں کو صدا دیتے ہیں

تخلیقاتِ نصیرؔ

1- آغوشِ حیرت (فارسی رُباعیات) مطبوعہ

2- پیمانِ شب (اُردو غزلیات) مطبوعہ

3- دِیں ہمہ اُوست (عربی، فارسی، اُردو، پنجابی نعتیں) مطبوعہ

4- امام ابُوحنیفہؒ اور اُن کا طرزِ استدلال (اُردو مقالہ) مطبوعہ

5- نام و نسب (سیادتِ غوثِ پاک کے تحقیقی ثبوت، نکاحِ سیدہ کی شرعی حیثیت اور شیعہ و خوارج کے عقائد کا تفصیلی جائزہ) مطبوعہ

6- فیضِ نسبت (عربی، فارسی، اُردو، پنجابی مناقب) مطبوعہ

7- رنگِ نظام (قرآن و حدیث کی روشنی میں اُردو مجموعہ رُباعیات) مطبوعہ

8- عرشِ ناز (فارسی، اُردو، پُوربی، پنجابی اور سرائیکی میں متفرق کلام) مطبوعہ

9- دستِ نظر (اُردو غزلیات کا نیا مجموعہ) مطبوعہ

10- راہ و رسمِ منزل ہا (تصوّف اور عصری مسائل) مطبوعہ